مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا ابوالعرفان ندوی، قائمقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء

سالانہ ۵ روپے ششماہی ۳ روپے | فی کاپی ۲۵ نئے پیسے | ممالک غیر کے لئے ایک پاؤنڈ

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ

منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پُر زور گزارش ہے کہ وہ معاونین کی
علیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی
اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ———— 200-00

معاونین سے ———— 100-00 / 50-00

اعزازی خریداران سے ———— 25-00

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب ندوی — نظامی دواخانہ فریئر روڈ — کراچی
(مغربی پاکستان)

پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲ | ۲۵ اپریل ۶۴ء مطابق ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ | شمارہ ۱۲

اس شمارے میں

زندگی کا سفر ... ... ایڈیٹر ۱

مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ ... ... مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ... ۳

عیدالاضحیٰ اور ہماری زندگی ... ... شیخ محمود شلتوت مرحوم ۵

انسان کے دو رخ ... ... شیخ یوسف القرضاوی ... ۶

ندوۃ العلماء منزل بہ منزل ۸

تجلیات حرم ... ... نظم ... ... حمید صدیقی لکھنوی ۹

عالم اسلام کا ایک عظیم ثقافتی مرکز ... ... سید الرحمٰن الاعظمی ۱۰

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ ... ... محمد یونس نگرامی ندوی ۱۱

نغمہ ساز ... ... نظم ... ... جگر مرادآبادی ۱۲

پیام عمل ... ... نظم ... ... عبرت لکھنوی ۱۲

کتب خانے کی سیر ... ... مولوی ابوالبقاء ندوی ... ۱۳

بغداد کی ایک صبح ... ... تسخیر الحسن ندوی ۱۴

عزم محکم ... ... عبدالمنان عمر ۱۵

حالات و واقعات دارالعلوم ... ... افتخار حسین قدوائی ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی کا سفر

محمد الحسنی

زندگی کا سفر کسی رفیق اور رہبر اور کسی ہمدرد اور مخلص کے بغیر کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ زندگی کے مسافر کو قدم قدم پر رہنمائی کی، تنبیہ کی، شفقت و دلداری کی، حوصلہ افزائی اور غمخواری کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کو اس اہم نازک اور طویل سفر کے لئے کچھ رفقاء کا انتخاب کرنا پڑتا ہے، کسی پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، کسی کی اطاعت کرنی پڑتی ہے، کسی کا مشورہ ماننا پڑتا ہے۔ اپنے دکھ درد، آرام و راحت، سکون و اطمینان اور بے یقینی و بے اطمینانی، غرض اس سفر کے ہر موڑ پر اور ہر حالت میں اس کو ان مخلص رہبروں اور رفیقوں سے قوت حاصل ہوتی ہے، سکون پہونچتا ہے۔ اس کے شکوک زائل ہوتے ہیں، بے اطمینانی دور ہو جاتی ہے اور وہ نئے حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ اس راہ میں مردانہ وار آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اگر یہ جیون ساتھی نہ ہوں تو جینا دوبھر ہو جائے، زندگی میں کوئی لطف اور کشش باقی نہ رہے، قدم قدم پر ٹھوکریں لگیں، ہر موڑ پر شبہ ہو کہ صحیح سمت کیا ہے۔ منزل کی دوری اور احساس تنہائی کا بوجھ، دل کی گھٹن اور جذبات و خیالات کی بندش انسان کے عقل و ہوش اور قوت فیصلہ کو جامد اور معطل کر دے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جائے اور اس کو ایسا محسوس ہو کہ اس بے کیف اور بے مزہ زندگی سے موت بہتر ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جسکو ہم ماحول سے تعبیر کرتے ہیں۔ ماحول دراصل نام ہے زندگی کے کچھ ساتھیوں کا جو اس سفر میں ہمارے شریک ہوتے ہیں اور ایک وفد یا جماعت کی شکل میں ہمارے ساتھ چلتے ہیں، ان کو ہماری مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں ان کی مدد کی۔ ان میں سے کوئی کسی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، ایک دوسرے پر حکومت نہیں چلا سکتا، سب ایک کشتی کے سوار اور ایک فکر میں گرفتار نظر آتے ہیں وہ ہے جلد سے جلد اور عافیت و سلامتی کے ساتھ منزل تک پہونچ جانا۔

منزل مقصود کی اہمیت اور اولیت کے بعد دوسرے نمبر پر جو چیز آتی ہے وہ یہی ماحول ہے، یعنی یہ طے کرنے کے بعد کہ ہماری سمت کیا ہوگی، کن کن مراحل سے گذرنا ہوگا اور حقیقی و آخری منزل کیا ہوگی؟ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان رفقاء کی منزل کچھ اور تو نہیں ہے وہ کعبہ کے بجائے ترکستان تو نہیں جا رہے ہیں۔ اس کا اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں مقصد کی لگن کتنی ہے۔ ان کی طلب سچی ہے یا جھوٹی، وہ اس راہ کی تکلیفوں کو برداشت کرنے اور اس کے حقوق کو ادا کرنے کے اہل بھی ہیں یا نہیں؟ اس راہ کے صرف پھول ہی انھیں عزیز ہیں کانٹوں سے انھیں نفرت و وحشت ہے یا ان کا وہ حال ہے جو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

ایسا تو نہیں ہے کہ محبوب حقیقی تک پہونچنے کے بجائے وہ اس طویل سفر کی دلفریبیوں اور رعنائیوں میں اس طرح پھنس چکے ہوں کہ اب انھیں منزل تک پہنچنے

کی کچھ زیادہ فکر نہ ہو، ان کے جذبات وکیفیات، ان کا رویہ اور طرزِ عمل ایسا تو نہیں ہے جو اس منزل کے تقاضوں اور اس راہ کی شرائط کے بالکل خلاف ہو اور وہ اپنے دل کو مارنے، خواہشات کو دبانے، منزل کی یاد میں مزہ لینے اور اس کی تکلیفوں سے حظ حاصل کرنے اس کی نعمتوں کا شکر کرنے اور اپنی بے مائگی و بے ہنری و بے بسی وذلت وخواری اور فقر و احتیاج کے احساس اور اس نسبت گرامی پر ناز و اعتماد کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہوں اور یہ ان کے لئے بے معنی الفاظ یا بے جان اصولوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتی ہو۔

منزل متعین ہوجانے کے بعد زندگی کے ہر مسافر کی اولین احتیاج ایسے رہبروں اور ہمسفروں کی تلاش وجستجو ہے جو اس معیار پر پورے اترتے ہوں اور جو کچھ اپنی زبان کہتے ہوں اس کو سچ کر دکھاتے ہوں، ان کی زندگی اخلاص وللہیت راست بازی اور صداقت وشعاری اور محبت ووفاداری کا دلکش نمونہ ہو۔

یہ نسخہ نہ کسی ذہن کی اختراع ہے نہ کوئی نظریاتی بحث قرآن مجید نے اہل ایمان کے لئے یہی طریقۂ عمل تجویز کیا ہے:-

یایھا الذین امنوا	اے ایمان والو اللہ کا ادب
اتقوا اللہ وکونوا مع	لحاظ کرو اور سچے لوگوں کے
الصادقین	ساتھ رہا کرو۔

ہمارے موجودہ معاشرہ کی بہت بڑی خرابی اور اس کی بہت بڑی کمزوری زندگی کے سفر میں ماحول کی اہمیت کو نظرانداز کرنا اور اس سے غفلت برتنا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی سطح اور کسی معیار کا ہو اچھے رہبروں، مشیروں اور ہمسفروں کا انتخاب ایک ایسا نازک کام ہے جس میں ذرا سی چوک ساری زندگی کو غلط سمت پر ڈال سکتی ہے یا اس میں رکاوٹیں پیدا کر سکتی ہے۔ اور انسان کو مختلف چیزوں میں الجھا سکتی ہے۔

اگر آدمی کا ماحول اچھا نہ ہو اور اس کے رفقا ایسے حامل نہ ہوں جو قرآن وحدیث نے متعین کیا ہے، اور جس کا اعلیٰ نمونہ صحابہ کرام اور ہمارے اسلاف نے پیش کیا ہے تو اپنی فکری وروحانی غذا کے لئے اس کو بہت سی چیزوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ دینی کتابوں کا مطالعہ، دینی جلسوں میں حاضری اور اس طرح کی دوسری چیزیں وہ ہیں جن سے وہ اپنے دینی جذبہ کی تسکین اور اپنے روحانی خلا کو پر کرنا چاہتا ہے۔ یقیناً یہ چیزیں بعض وقت بہت کام کر جاتی ہیں اور اسکی صدہا مثالیں موجود ہیں کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے کسی خاص واقعہ نے کسی شعر نے اور کسی کتاب یا تقریر نے انسان میں ایک ایسی لازوال خلش پیدا کردی جو پھر کبھی نہ مٹ سکی اور رنگ لائے بغیر نہ رہی لیکن بالعموم ایسا نہیں ہوتا۔ سنت اللہ یہ ہے کہ آدمی کو اس کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے۔

اس بات کو ایک معمولی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔

..... سخت گرمی اور لو کے زمانہ میں پیاس اور بے چینی کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے ایک طریقہ یہ ہے کہ بار بار شربت پیا جائے، برف کا استعمال کیا جائے لیکن سب جانتے ہیں کہ ان چیزوں کا فائدہ عارضی ہوگا اور گرمی کی شدت اور لو کے تھپیڑوں اور پیاس سے آدمی کو نجات نہ ملے گی لیکن اگر وہ ایرکنڈیشنڈ گھر میں رہنے لگے تو اس کے لئے گویا موسم ہی تبدیل ہوجائے گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کی دنیا ہی بدل جائے گی۔ جلسوں، تقریروں، کتابوں، رسالوں سب کا یہ حال ہے کہ وہ اس ماحول کا صرف ایک جزو ہیں کل نہیں۔ ان سے ماحول کو تقویت حاصل ہو سکتی ہے یہ اس کا دائرہ اور وسیع کر سکتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی تنہا چیز نہ ماحول کی جگہ لے سکتی ہے اور نہ اس کی ضرورت پوری کر سکتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ہم کو اچھے ماحول کی جستجو کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ہم اچھے اور سچے لوگوں کی رفاقت اور صحبت اختیار کریں اور زندگی کا یہ سفر ان کے ساتھ کریں۔

یہ ساتھی اور رہبر جس معیار کے ہوں گے اسی حساب سے منزل پر پہونچا جا سکے گا۔ ان میں جس درجہ کا ایمان ویقین، اخلاص وبے غرضی، حق طلبی اور خدا ترسی ہوگی وہ معرفت واحسان کی جس منزل پر ہوں گے ان میں جتنی تاثیر وقوت اور ایمان ویقین کی حرارت ہوگی ان کو خدا کی ذات وصفات کا جو یقین واستحضار ہوگا اور مختصر یہ کہ ان کو خدا سے جس درجہ گہرا سچا اور حقیقی تعلق ہوگا، اسی قدر وہ دوسروں کے لئے مفید اور موثر ہوں گے اور ہم کو جلد سے جلد وہ گوہر مقصود حاصل ہوگا جو ہر زمانہ میں اہل نظر واہل دل کی تمنا ان کی ساری کوششوں کا حاصل اور کائنات کا حاصل ہے۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

زندگی کے اس طویل پر آشوب، فتنہ انگیز اور خطرناک سفر میں ہر قسم کی پیش بندی ضروری ہے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کا خیال واہتمام ناگزیر ہے اور اپنی ہر کمزوری پر نظر رکھنے اور اس کے علاج وانتظام کی ضرورت ہے لیکن سب سے زیادہ بنیادی اور اہم بات ایسے رہبروں اور ہمسفروں اور ایسے ساتھیوں کا انتخاب ہے جو ہمیں اس زندگی کو کارآمد بنانے، اس ذرۂ خاک کے اقبال کو بلند کرنے، سنگریزوں کو رشک قمر بنانے اور اس ظلوم وجہول عاصی اور آلودۂ معاصی انسان کو مسجود ومحسود ملائکہ خدا کا مقرب ومحبوب اور اس کے انتخاب ونظر کرم اور اس کی تجلیات وعنایات اور انعامات کا مرکز بنانے میں ہمارے لئے مفید ثابت ہوں اور ہم کو اس اہم ترین حقیقت سے غافل نہ ہونے دیں جس پر انسان کے فلاح وخسران کا انحصار ہے اور جس کی طرف اس مادی دور میں سب سے کم توجہ ہے اور جس کو اس نام نہاد "حقیقت پسندی" کے دور میں رجعت پسندی، رہبانیت اور ترک دنیا کہا جاتا ہے۔

آخرت کو یاد دلانے والا ہادم اللذات یعنی لذتوں اور سرمستیوں کو برباد کرنے والی چیز موت کی یاد تازہ کرنے والا، مرنے سے پہلے مرجانے یعنی اپنی خواہشات سے گزر جانے اور نفس کی منزل کو پیچھے چھوڑ دینے کی تلقین کرنے والا، جنت کا شوق اور خدا کی نہ مٹنے والی سچی اور حقیقی طلب پیدا کرنے والا اور اس پر جان ودل نثار کرنے اور اس کی یاد میں مست وسرشار کرنے والا اور اس کے لئے ہر قسم کی تکلیف اور ہر طرح کا خطرہ ہنسی خوشی قبول کرنے کی دعوت دینے والا ماحول ہم میں سے ہر شخص کے لئے ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جسکو ٹالنا اپنی زندگی کے ساتھ جوا کھیلنے یا اپنی زندگی کو بے یقینی اور بے اعتمادی اور شک وشبہ کے حوالہ کر دینے کے مرادف ہے، اور ایک ایسے راستہ پر چلنا ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کہاں اور کب ختم ہوگا اور اس مسافر کو کہاں پہونچائے گا۔

اس ماحول کی تلاش وجستجو کو ہمارے زندگی کے اور دوسرے کاموں اور ضروریات کے سرفہرست ہونا چاہئے۔ خدا کی زمین خالی نہیں ہے۔ اس کے سچے اور مخلص بندے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ پیدا ہوتے رہے۔ اور جب تک خدا چاہے گا یہ سلسلہ قائم رہے گا، اس کے مقبول بندوں میں آج بھی وہی تاثیر ہے اور ان سے آج بھی وہی فائدہ پہونچ سکتا ہے اور زندگی کے اس سفر میں اب بھی ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہی

(بقیہ ص ۱۲ پر دیکھئے)

مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت سید احمد شہیدؒ کی ہمہ گیر تحریک کا ایک بڑا جز اصلاح عقائد و اعمال اور ترویج شریعت کا کام تھا، جس کی تفصیل سیرت احمد شہیدؒ میں گزری، یہ کام سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد جاری رہا، حضرات اہل دیوبند، مجاہدین صادق پور اور علماء اہل حدیث کی اصلاحی وتبلیغی کوششوں کی روداد کتابوں میں ملتی ہے جو گوشہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے وہ نسبتاً ابھی تک مخفی رہا ہے۔ ——— ابوالحسن علی

خاندان

امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد بن احمد المدنی دم ۶۷۷ھ مدفون کڑہ، کی اولاد میں جو ہندوستان کے حسنی سادات کے مورث اعلیٰ ہیں گیارہویں صدی ہجری کی ابتدا میں قصبہ نصیر آباد جائس (ضلع رائے بریلی) میں سید محمد فضیل اور سید محمد اسحٰق دو نامور بھائی تھے۔ جو علم وعمل زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت سید محمد فضیل کے صاحبزادے حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت سید آدم بنوریؒ (خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے اکابر خلفاء میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خاص، پیروی سنت امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اتباع شریعت میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ کی اولاد میں کثرت سے علماء ومشائخ پیدا ہوئے جن میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ نامور ہیں۔

حضرت سید محمد اسحٰق کے صاحبزادہ دیوان سید خواجہ احمد تھے، جو ایک متبحر عالم صاحب افادہ وتدریس اور شیخ طریقت تھے۔ علوم ظاہری میں شیخ محب اللہ الہ آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ کے چچازاد بھائی حضرت شاہ علم اللہؒ نے آپ ہی سے پڑھا تھا۔ شاہ صاحب ہی کی تحریک سے (جب وہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض ہوکر آئے) آپ بھی حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سید ہندوستان سے ہجرت کرکے حرمین شریف لے جا رہے تھے اور بارش کی زیادتی کی وجہ سے گویا دہیں مقیم تھے۔ دیوان سید خواجہ احمد صاحب نے دہیں بیعت کی اور تھوڑے دنوں میں کمالات باطنی حاصل کرکے خلافت سے سرفراز ہوئے اور وطن واپس آئے جہاں طالبین کی تعلیم وتربیت میں مشغول رہ کر ترسٹھ سال کی عمر میں ۱۰۸۶ھ میں وفات پائی۔

دیوان خواجہ احمد صاحب کی پانچویں پشت میں سید محمد یسین ہیں جو باوجود ملازمت شاہی کے ایک صاحب دل اور درویش سیرت بزرگ تھے۔ آپ حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ کے خلیفہ تھے۔ جو حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب کے خلیفہ مولوی محمد یحییٰ جائسی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت سید شاہ علم اللہ کے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل تھے۔ سید محمد یسین صاحب نے ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی آپ کے دو صاحبزادے تھے سید محمد صاحب اور حضرت سید خواجہ احمدؒ۔

ولادت اور ابتدائی حالات

مولوی سید محمد علی صاحب اپنی کتاب "مخزن احمدی" میں لکھتے ہیں کہ حضرت سید احمد شہید نے جب جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ میں جہاد کے لئے وطن سے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور آپ کے مریدین ومعتقدین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ جوق جوق آپ کی آخری ملاقات وزیارت کے لئے اپنے شہروں سے دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی میں حاضر ہوئے۔ اسی غرض کے لئے آپ کے بہت سے اعزا اور اہل خاندان مرد اور عورت قصبہ نصیر آباد سے بھی گئے (جو سید صاحب کا قدیم آبائی وطن اور آپ کے خاندان کا دوسرا مسکن تھا) ایک مہینہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر رہ کر انھوں نے بھی رخصت چاہی، سید صاحب نے اجازت دے دی، رخصت ہوتے وقت سید محمد علی صاحب کی اہلیہ نے عرض کیا کہ میری حقیقی بہن (زوجہ سید محمد یسین صاحب) کا ایک پیغام ہے جو میں پہنچاتی ہوں۔ انھوں نے عرض کیا ہے کہ میرا بچہ محمد تقی تین سال کی عمر میں جاتا رہا۔ اس کا غم ابھی تک تازہ ہے۔ میری گزارش ہے کہ جناب دعا فرمائیں کہ صحت وتندرستی کی اولاد ہو، فرزند نرینہ ہو اور صالح ہو۔ حضرت نے اپنے معمول کے مطابق کچھ دیر خاموش اور مراقب ہوکر فرمایا کہ انشاء اللہ فرزند ہوگا۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام اس کے جد امجد حضرت دیوان خواجہ احمد کے نام پر رکھا جائے۔ انشاء اللہ وہ فضل و کمال اور علوم دینی میں بعض اعتبار سے اپنے جد امجد سے سبقت لے جائے گا۔

انھوں نے یہ خواب بھی بیان کیا کہ میں نے ایام حمل کی ابتدا میں دیکھا کہ ماہ کامل اپنی جگہ سے جست لگا کر میرے منہ میں چلا گیا اور اس کے روپوش ہونے سے تمام دنیا میں تاریکی پھیل گئی، کچھ دیر کے بعد وہ باہر آگیا اور اپنی جگہ پہونچ گیا۔ حضرت نے اس کی یہ تعبیر دی کہ "اس بچہ کی ولادت سے اس کی پیشانی کا نور چار دانگ عالم میں پھیل جائے گا اور مومنین اور بعض بتدعین کے قلوب کو منور کرے گا۔ جہالت کی جو تاریکی اس وقت پھیلی ہوگی اس کی روشنی سے کافور ہو جائے گی اسکے ہاتھ اور زبان سے دین کی تازگی اور ترقی ہوگی۔"

یہ بشارت سن کر وہ اپنے گھر آئیں اور اپنی بہن کو یہ مژدہ سنایا۔ انھوں نے سجدۂ شکر ادا کیا، عجب ماجرا ہے کہ سات جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ کو دوشنبہ کے دن (جس روز حضرت سید احمد شہیدؒ نے ہجرت فرمائی) صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے حضرت سید خواجہ احمد صاحب کی ولادت ہوئی اور اسی روز شام کو بعد نماز عصر حضرت سید صاحب نے ہجرت کے لئے رائے بریلی سے کوچ فرمایا۔

تعلیم

آپ نے درسی کتابیں، مختصرات سے متوسطات، مختصر المعانی وغیرہ تک اپنے عزیز بزرگ مولانا سید محمد نصیر آبادیؒ سے پڑھیں جو اساتذۂ لکھنؤ اور پھر حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے شاگرد رشید اور حضرت شہیدؒ کے خلیفہ ومجاز تھے۔

۱۲۵۵ھ میں چودہ سال کی عمر میں آپ کے والد محترم آپ کو مولانا کرامت علی جونپوری (خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) کی خدمت میں بالاکر لے گئے۔ جہاں مولانا

ذوالفقار علی بہادر والئی باندہ کی طرف سے ریاست کے مفتی اور مدرسہ کے مہتمم تھے اور درس دیا کرتے تھے، آپ کے والد آپ کو مولانا سخاوت علی صاحب کے سپرد کرکے چلے آئے تین سال آپ باندہ میں مولانا کی خدمت میں رہ کر علوم کی تحصیل کرتے رہے۔ مولانا جب باندہ سے اپنے وطن جونپور تشریف لائے تو آپ بھی ساتھ آئے پھر جب مولانا دوبارہ باندہ تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمرکاب تھے۔ ڈیڑھ سال مزید قیام فرماکر علوم کی تکمیل کی اور ۱۹ سال کی عمر میں آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی، چونکہ مولانا سخاوت علی صاحبؒ آپ کے خاص استاد اور مربی تھے جن کی شاگردی پر آپ کو ہمیشہ فخر رہا اور آپ کے ذہنی اور اخلاقی وعلمی تربیت اور مسلک وخیالات میں مولانا سخاوت علی صاحب کا سب سے بڑا دخل اور سب سے زیادہ اثر تھا، اور ہمیشہ قائم رہا، اس لئے اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سخاوت علی صاحب کی شخصیت اور ان کے مسلک و ذوق کا اندازہ ہو جائے کہ اس زمانے میں استاذ نہ صرف معلم ہوتا تھا بلکہ مربی اور ایک طرح کا شیخ اور امام بھی۔

مولانا سخاوت علی صاحب کو مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحئی بڑھانوی سے تلمذ کی، اور حدیث کی سند حاصل تھی، علوم عقلی و نقلی کی تکمیل مولانا احمد اللہ انامی تلمیذ حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلوی سے کی تھی حضرت سید احمد شہید سے بیعت تھی اور آپ کے خاص لوگوں میں تھے۔ سید صاحب مولانا کی درخواست پر ان کے وطن منڈیاہو ضلع جونپور بھی تشریف لے گئے تھے۔ آخر وقت تک سید صاحب کے مسلک وطریق پر قائم رہے، نہایت متقی پرہیزگار اور متبع سنت بزرگ تھے، آپ کے ذریعہ سے قدیم ملانہ رسوم کا ابطال اور مذہبی شعائر کا احیا بہت ہوا، وعظ وتلقین سے ہمیشہ رد بدعات اور اتباع سنت کی ترویج واشاعت میں کوشاں رہے۔ فتوی لیل لکھتے تھے اقوال فقہا میں سے ہمیشہ اسی قول پر فتوی دیتے تھے جس کی تائید قرآن وسنت صحیحہ سے ملتی تھی مولانا کا یہ فیض ہے کہ اب تک جونپور میں کوئی سنی تعزیہ داری نہیں کرتا، تمام عمر اول وقت پر مسجد میں باجماعت نماز خاص کا اہتمام تھا، عصر کی نماز ہمیشہ ایک مثل پر اور فجر کی نماز قرات طویلہ کے ساتھ غلس میں پڑھتے رہے، آخر عمر میں ہندوستان کے مشہور ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے قبل ہی مولانا امیر علی صاحب کی شہادت کے بعد ہجرت کرکے مکہ معظمہ چلے گئے تھے وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا، ۱۲۷۴ھ میں وہیں انتقال فرمایا

آپ نے مولانا سخاوت علی صاحبؒ کی خدمت میں تمام علوم معقول و منقول کی تکمیل کی، فراغت کے بعد خاندان کے بزرگوں کے اصرار سے وطن واپس تشریف لائے۔ ۱۴ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے جانے سے پہلے آپ کا نکاح ہو گیا تھا۔ واپسی پر نہایت سادگی کے ساتھ رخصتی کی رسم ادا ہوئی جس میں خلاف شرع اور فضول مراسم سے پورا اجتناب کیا گیا۔

بیعت وسلوک

پہلا سلسلہ سب سے پہلے حضرت شاہ یار محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی جو حضرت سید شاہ نجم الہدی نظر آبادی کے خلیفہ اعظم تھے، حضرت سید نجم الہدی عارف کامل عارف کامل مولانا محمد یحیی جائسی کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ عدل صاحب کے اور وہ اپنے والد محترم حضرت سید محمد کے اور وہ اپنے والد محترم حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اور وہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے اور وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ سلسلہ حضرت شاہ علم اللہؒ کی خصوصیات اور ان کے فیض کا بہترین حامل تھا، حضرت سید محمد اپنے والد حضرت شاہ علم اللہ کے سب سے چھوٹے اور محبوب ترین فرزند اور ان کے خاص تربیت یافتہ اور گویا ان کے ترجمان دل اور لسان مقال تھے، فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد نے آخر عمر میں جب کمال اتباع نبوی اور مشابہت محمدی میں تحریر وکتابت بھی چھوڑ دی، تو مجھے ارشاد ہوا کہ فوائد و خطوط آنجناب کی طرف سے میں لکھا کروں چنانچہ اس کی وجہ سے سایہ کی طرح ساتھ رہتا، اور جو کچھ ارشاد ہوتا اسکو قلمبند کرتا آخر عمر میں حضرت والد نے لوگوں سے ملاقات کم کردی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مشتمل ایک تحریر لکھوائی۔ جب کوئی ملنے آتا تو مجھے حکم ہوتا کہ میں جاکر سنادوں، خواص میں سے جس کو میں اہل سمجھتا اس کے متعلق عرض کرتا اور آپ باہر تشریف لاتے اور ملاقات کرتے

حضرت سید محمد صورت و سیرت میں اپنے والد بزرگوار سے سب سے زیادہ مشابہ تھے اور استغنا، توکل، اتباع شریعت اور اظہار حق اور امر بالمعروف میں والد ماجد کے قدم بقدم، مولانا سید محمد نعمان (عم حقیقی حضرت سید احمد شہیدؒ) اپنی کتاب "اعلام الہدیٰ" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ناظم صوبہ الہ آباد مہتہ[1] دیا بہادر ناگر کا لشکر رائے بریلی میں وارد ہوا ناظم حضرت کی خانقاہ میں خود آیا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی، حضرت سید اس وقت مکان میں تشریف رکھتے تھے، کسی کی زبانی کہلوایا کہ اگر ناظم صاحب کا آنا اس وقت ہوا ہوتا جب یہ فقیر مسجد میں بیٹھا ہوا تھا تو فقیر ملاقات کرلیتا اور امر بالمعروف کا کلمہ کہہ کر اور اسلام کی دعوت دے کر اپنے حق سے ادا ہو جاتا، اب تو اسلام کی تمنا کے بغیر اپنے حجرہ اور مسجد سے نکلنا اور آپ کی ملاقات کے لئے باہر آنا "ہماری شریعت" میں روا نہیں۔ اگر اسلام قبول کریں تو شوق سے آئیں میں ملاقات کروں گا اور دوستی اور محبت سے پیش آؤں گا، ورنہ میری طرف سے معذرت قبول ہو، باقی یہ فقیر تمام بندگان خدا کے حق میں دعاء خیر کرتا رہتا ہے۔

لطف یہ کہ ناظم مذکور اپنی معقولیت اور لیاقت کی وجہ سے ناراض نہیں ہوا، اور بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ کہا کہ سید صاحب اپنے فرض امر بالمعروف اور دعوت اسلام سے سبکدوش ہو گئے، میں اپنی کم نصیبی سے اس دولت سے محروم ہوں، یہ کہہ کر وہ واپس آیا اور اپنے مصاحبوں سے کہا کہ ایسا بے نیاز اور متوکل بزرگ اس زمانہ میں دیکھنے میں نہیں آیا نہ سننے میں بزرگان ومشائخ تو امرا اور ناظموں پر اثر ڈالنے اور ان کو اپنا بنانے کے لئے کیسے وظیفے اور عمل اور تدبیریں کرتے ہیں، پھر شہر کے قریب کچھ مواضعات کا پروانہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ میں بادشاہ کا نائب ہوں اور مجھے حکم ہے کہ سادات کرام، مشائخ عظام اور درویشان عالی مقام کو تلاش اور دریافت کرکے ان کے لائق ان کی خدمت کروں اس لئے یہ درحقیقت بادشاہ کی طرف سے نذر ہے، جناب مجھ گنہگار اور غیر مسلم کو درمیان میں تصور نہ فرمائیں اور اس کو قبول کریں۔

---

[1] اس زمانہ کی حیثیت اور اصطلاح کے مطابق صوبہ کا گورنر

براہ کرم خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیجئے، ورنہ جواب میں تاخیر ہوگی۔ (منیجر)

از شیخ محمود شلتوت مرحوم سابق شیخ جامع الازہر

عیدالاضحیٰ اور ہماری زندگی

ترجمہ: محمد اسحاق ندوی استاذ جامعہ اسلامیہ لیبیا

قوموں کی زندگی کے ساتھ ان کی پرانی عظمت کی یادیں ہمیشہ وابستہ ہوتی ہیں جو قوموں کی ترقی یا ان کے نام لیواؤں میں بیداری کی لہر پیدا کردیتی ہیں ان میں پرانی یادوں سے دل بستگی اور اس راستے پر چلنے والوں میں عظمت رفتہ کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے نیکوکاروں کی یادیں ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں انکی جلوہ سامانیوں سے روح کو بالیدگی ملتی ہے۔

دنیا کی ہر قوم اپنی پچھلی تاریخ میں عظمت کے کچھ گوہر رکھتی ہے جو اس کے قبائے تاباں پر جھلملاتے ہیں یہ گوہر اس قوم کی ایک طویل داستان کی مسلسل کڑیاں ہوتی ہیں جن کے ملنے سے قوم کی عظیم الشان تاریخ مرتب ہو جاتی ہے۔ کسی قوم کی زندگی کا واقعہ گو ایک تقریب کی صورت میں منالیا جاتا ہے اور اس تقریب کے بار بار آنے سے واقعہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور یہ واقعہ جس مناسبت سے منایا جاتا ہے اس مناسبت کی قدر ومنزلت بھی دلوں میں پیوست ہو جاتی ہے۔ عقل کی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں گویا یہ تقریبیں نور کے وہ تحفے ہیں جو قوم کے کردار کو تاباں کرکے سامنے لے آتے ہیں

امت اسلامیہ کی تاریخ بڑی بڑی یادوں سے بھری ہوئی ہے، اس کی دو یادیں ایسی ہیں جن سے ہماری عظمت وشوکت کا گہرا تعلق ہے پہلی یاد عیدالفطر کی ہے جو رمضان کے بالکل متصل ایک بڑے تہوار کی صورت میں منائی جاتی ہے۔ اس عید سے احساس قلب جاگ اٹھتا ہے۔ وجدان میں کیف وانبساط کے دھارے پھوٹنے لگتے ہیں۔ دراصل یہ فرحت وانبساط کی کیفیت خداوند تعالیٰ کی اس نعمت کے اظہار سے ہی پیدا ہوتی ہے جو تمام عالم انسانی کو بخشا گیا اور وہ قرآن مجید کا نزول ہے جس نے انسان کو نیکی، بھلائی اور امن عام کی دعوت دی اور کہا

ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات ان لهم أجراً كبيراً۔

(یہ قرآن سیدھے راستے کی رہبری کرتا ہے مومنوں کو خوشخبری ہو۔ جنھوں نے نیکی کا کام کیا ان کے لئے بہت زیادہ ثواب ہے)

عیدالفطر کے بعد دوسرا دن ہے اس دن اسلامی عمارت کا قصر بلند تعمیر کیا گیا۔ بلکہ فضائے آسمانی سے باتیں کرنے والے اسلامی عمل کا اختتام ہوا اور وہ حج اکبر کا دن ہے اس حج میں امت اسلامیہ کی شوکت کا مظاہرہ کیا گیا اور سن ہجری نے اسے تابانی بخشی، جبکہ حضرت علیؓ رسول کریم کے نائب بن کر حج کے موسم میں الٰہی تبلیغ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے اس حج میں کلمۂ توحید کا اعلان پورے زور وشور سے کیا گیا اللہ یہ مسلمانوں کا پہلا اجتماع (حج) تھا جس میں ہر طرف کے مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ اس حج میں کفر واسلام الگ الگ ہوکر دو محاذوں میں کھڑے ہو گئے۔ خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے باآواز بلند کفار کو سنا دیا گیا

"ان الله برئ من المشركين ورسوله"

(اللہ اور اس کے رسول مشرکوں کے اعمال سے بے زار ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے دلوں میں جذبۂ ایمان وخلوص کی ایسی چنگاری سلگا دی تھی جس سے روحانی قوت حاصل ہوتی تھی۔ عقیدہ کے اتحاد، فکر کی یکانگت اور مقصد کی یکسانیت کے ساتھ وہ اللہ کی کرم نوازیوں اور اس کی نصرت کی مدد سے اللہ کے دین کے حامی بن کر دنیا کے سامنے آئے پھر اس کی بدولت مسلمانوں کی شوکت کا جلال ماہ تاباں کی طرح چمکا، ان کی سلطانی نے وقار پایا۔ ان کی بات کے سامنے دشمنوں کی گردنیں خم ہو گئیں۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ مسلمان مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا عالم انسانی کے لئے امن کا پیام تھا۔ انھوں نے صرف مکہ ہی فتح نہیں کیا تھا بلکہ ہدایت آسمانی کے لئے دلوں کو بھی فتح کیا تھا جس کے اثر سے اہل مکہ کے دل شرک کی ہر برائی سے بیزار اور توحید کے سرور سے سرشار ہوئے۔

انا فتحنا لك فتحاً مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر

(ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ آپ کی اگلی اور پچھلی تقصیر معاف کردے۔)

لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وهو على كل شئ قدير لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده،

(ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں سب تعریف اسی کے لئے ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس نے تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔)

یہ ہے صحیح تدبیر کا عمل، یہ ہے قوت ایمانی کا مظہر جس کے سامنے فوجوں کی یلغار توپوں کے دھماکے بلکہ ہر مادی قوت ہتھیار ڈال دیا کرتی ہے۔ عیدالاضحیٰ میں جانور اس لئے نہیں کاٹے جاتے کہ اس سے خدا کی زمین پر خونی چادر بچھا دی جائے۔ بلکہ یہ قربانی کسی بلند مقصد کے لئے کی جاتی ہے۔ اونچا مطمح نظر سامنے ہوتا ہے اور یہ پاکیزہ مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنے دلوں میں جاری وساری کرنا ہوتا ہے۔ پھر اس مقصد کے ذریعہ نفس کو رذالت کے خون سے پاک کیا جاتا ہے تاکہ پاکیزہ قدریں ابھریں دل میں خدا کاری اور جانبازی کا جذبہ پیدا ہو اور دانگی کی خو پیدا ہو۔ جانور کی قربانی وہ عمل ہے جس سے افراد انسانی کا تعلق ایک دوسرے سے جڑ جاتا ہے خواہ یہ تعلق امیر و فقیر کا ہو یا امیر کا امیر سے ہو۔

عیدالاضحیٰ ہر برس آتی ہے، دو بڑے واقعات کی یاد دہانی کرجاتی ہے۔ ان میں کا ہر واقعہ ایمان بڑھاتا اور دل کو خوشیوں سے بھرپور کردیتا ہے عظمت وشوکت کے چھپے اور بجھے ہوئے احساسات روشن ہو جاتے ہیں۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر دائمی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے مایوسی ہوگی ان کی سرکشی کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا۔

اليوم يئس الذين كفروا من دينكم فلا تخشوهم واخشون!

(آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف مجھ سے ڈرو۔)

دوسرے واقعہ کا تعلق دین کے مکمل ہونے سے ہے جس میں دنیا وآخرت دونوں کی بھلائیاں شامل ہیں۔ اللہ نے اس دین کے ذریعہ مسلمانوں پر بہت ہی بڑا فضل فرمایا ہے (باقی ص ۱۰ پر دیکھیے)

از شیخ یوسف القرضاوی۔ قطر

انسان کے دو رخ

ترجمہ شفیق الرحمٰن ندوی

انسان کی صورت

اس کرۂ ارض کی حقیقت جس پر انسان اپنی زندگی بسر کرتا ہے صرف اتنی ہے کہ اس عظیم کائنات میں بکھرے ہوئے ہزاروں نظام ہائے شمسی میں سے ایک نظام شمسی کا وہ ایک معمولی سیارہ ہے۔ جدید فلکیاتی علوم نے کرۂ ارضی کی حیثیت یہی متعین کی ہے اور بقول کوپرنیکس اس عظیم کائنات میں انسان کی حیثیت ایک حقیر ذرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اگر امتداد زمانہ کو معیار قرار دیا جائے تو انسان کی قدر و قیمت میں اور کمی آجائے گی۔ کیونکہ کرۂ ارض کروڑوں سال سے موجود ہے۔ اس کے مقابلے میں انسانی عمر کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جو مشکل سے سو سال تک پہنچ پاتی ہے۔ ماہرین علم کیمیا نے تو انسان کی بے وقعتی اور اس کی بے ثباتی کی انتہا کردی ہے کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک متوسط قد و قامت والے انسان کے جسم میں تیل، سیسہ، فاسفورس، چونا، کلیشم، لوہا اور پانی وغیرہ کی اتنی تھوڑی مقدار ہوتی ہے جو چند روپیوں میں خریدی جاسکتی ہے۔ یہ ہے انسان کا وہ مقام جسے مادہ پرستوں نے اس کے خارجی و داخلی عوامل اور اس کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے متعین کیا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دین اسلام نے انسان کو کیا مقام عطا کیا ہے اور اہل ایمان اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں اور اس لامبی چوڑی دنیا میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

انسان کی حقیقت

اہل ایمان کی نظر میں انسان اللہ تعالیٰ کی ایک محبوب ترین اور برگزیدہ مخلوق ہے۔ اس کی قدرت کا شاہکار ہے اپنی خاص قدرت سے اس نے اس کو پیدا کیا۔ بہترین شکل و صورت سے آراستہ کیا۔ پھر فرشتوں کا مسجود بنا کر اس کی فوقیت اور برتری کا سکہ بٹھایا علم و ارادہ کی قوت سے مسلح کر کے خلافت ارضی سے اسے سرفراز کیا۔ اس عظیم کائنات کی ساری چہل پہل کا محور و مرکز صرف انسان ہے۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے اور اس کی ساری قوتیں اس کے سپرد ہیں وہ اس سجی سجائی دنیا کا ایک سدا بہار پھول ہے۔ پوری کائنات کی رونق اسی کے وجود سے ہے۔ اس کا ایک ایک ذرہ انسان کی خدمت اور اس کی راحت رسانی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ سارے جہاں کا حاکم اور صرف ایک ذات کا محکوم ہے۔ سارے جہان کا مخدوم اور صرف ایک ذات باری تعالیٰ کا خادم ہے۔ احدیث قدسی کے یہ الفاظ اس کی قدر و منزلت میں کس درجہ اضافہ کے باعث ہیں۔

"اے ابن آدم میں نے تجھے خاص اپنے لئے پیدا کیا اور تیرے واسطے دنیا کی ہر چیز پیدا کی۔ تجھے میری ذات کی قسم تو جس بلند مقاصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے انھیں چھوڑ کر ان حقیر چیزوں کی تلاش و جستجو میں سرگرداں ہو جانا جو خود تیرے ہی واسطے پیدا کی گئی ہیں۔"

"اے ابن آدم ہم نے تجھے اپنے لئے پیدا کیا ہے تو لہو لعب میں ہرگز نہ پھنس جانا تیری روزی ہم نے اپنے ذمے لی ہے۔ اس کی تلاش و جستجو میں اس قدر نہ منہمک ہو جانا کہ میری تلاش سے بے پرواہ ہو جاؤ یاد رکھ کہ اگر تو نے مجھے پا لیا تو دنیا و آخرت کی ہر نعمت تجھے مل گئی لیکن اگر مجھے نہ پا سکا تو تو کہیں کا نہ رہا مجھے تیری ہر خواہش اور ہر عزیز شئے سے محبوب تر ہو جانا چاہیئے

یہ سچ ہے کہ انسان کا یہ چھوٹا سا جسم اتنی بڑی کائنات اور اس کی وسعت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا لیکن یہ بھی اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ انسان کا جسم ہی سب کچھ نہیں ہے اس کا اصل جوہر اسکی معنویت اور روحانیت میں مضمر ہے اور یہ ایسی گرانقدر دولت ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بے وقعت و بے معنی ہے، یہ بھی درست ہے کہ انسان کی عمر بہت تھوڑی ہے لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ اس کی زندگی اسی دنیائے دوں تک محدود نہیں ہے جو اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کی موت تو ایک اسٹیشن ہے اس کے بعد اسے ایک محدود و لازوال زندگی عطا ہونے والی ہے۔ ایسی زندگی جہاں موت کا کہیں گزر نہیں ہے۔ جہاں قدم رکھتے ہی یہ مژدہ سنا دیا جاتا ہے۔

سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین

دین اسلام نے انسانیت کو جو عظمت عطا کی ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ خدا کی مقدس کتاب قرآن پاک میں آپ کو سینکڑوں ایسی آیتیں نظر آئیں گی جن کا موضوع صرف انسان کی ذات ہے۔ ان میں اسے دنیا میں زندگی گزارنے کے طور طریقے بتائے گئے۔ دنیا کی دوسری مخلوقات میں اس کی پوزیشن متعین کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی سب سے پہلی آیت جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کا محور ہی انسان اور اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے۔ خلق۔ تکریم۔ تعلیم اور اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت یہ ایسی چیزیں ہیں جو بالکل نمایاں ہیں۔ قرآن مجید کی اکثر و بیشتر سورتوں میں تبلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے بہت قریب ہے اتنا قریب کہ اگر انسان اپنے مالک و مولیٰ سے تعلق جوڑنا چاہے تو اسے کسی ثالث یا کسی سفارش کی مطلق ضرورت نہیں، جو لوگ دین کے ٹھیکہ دار بنے بیٹھے ہیں اور جنھوں نے دین کو حصول دنیا کا ذریعہ اور حصول معاش کا وسیلہ بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں اور لامحدود رحمت کو اتنا محدود کر دیا ہے کہ ان کو نذرانے پیش کئے بغیر ان کی رضاجوئی کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضاجوئی حاصل ہی نہیں ہو سکتی ہے۔

قرآن پاک کی یہ آیت ان کے مصنوعی اور کھوکھلے تلوں کو آن واحد میں مسمار کر کے رکھ دیتی ہے۔

اذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید

(اے محمد جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں ان سے بالکل قریب ہوں پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب مجھے پکارتا ہے۔ ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس چیز سے واقف ہیں جو اس کے دل میں کھٹکتی ہے اور ہم اس کے شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں

ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان کسی جگہ اور کسی لمحہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی۔ شہر کا شور و شغب ہو یا صحرا کا دکھا دینے والا سکوت ہمہ وقت ذات باری تعالیٰ کی معیت اور اس کی نگرانی انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ ملأ اعلیٰ میں اس کی عظمت اور شرف و بزرگی کا اندازہ لگانے کے لئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ اسے خلافت ارضی سے نوازا گیا ہے جبکہ فرشتوں نے از خود اس کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی پیشکش رد فرما کر اور انسان کو خلافت عطا کر کے یہ بات ساری مخلوقات پر ظاہر فرما دی کہ کوئی مخلوق بھی اپنی استعداد اور فطری صلاحیتوں میں انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتی مزید یہ کہ جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس کا تکبر اس کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ اسے آدم خاکی کی یہ بلندی قطعاً پسند نہ آئی چنانچہ اس نے یہ ماننے سے صاف انکار کر دیا لیکن اس کی جو قیمت اسے ادا کرنی پڑی اس کے لئے بڑی ہی گراں ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اسے اپنی رحمت اور اپنی نظر کرم سے محروم کر کے یہ واضح کر دیا کہ اس کائنات کی کوئی مخلوق انسان کو ناخوش کر کے اس کا دل دکھا کر اس کی خدمت اور تابعداری سے منہ موڑ کر خدا کی خوشنودی اور اس کے تقرب اس کی رحمت اور اس کی نظر کرم کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ انسان کا مقام ایک معمولی کارندے اور خادم کا نہیں ہے۔ وہ تو اس سدا بہار چمن کا صاحب اختیار اور صاحب تصرف مالک اور آقا ہے یہ گردش لیل و نہار یہ شمس و قمر، یہ نیلگوں آسمان، آسمانوں سے باتیں کرتے والے پہاڑ، یہ بہتے ہوئے دریا، یہ سرسبز و شاداب لہلہاتے کھیت، آخر اسی لئے تو ہیں کہ انسان کے آرام اور اس کی راحت انسانی کا فرض انجام دیں۔ قرآن پاک نے اسے کس بلیغ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

اللہ الذی خلق السموات الارض و انزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ وسخر لکم الانہار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار واتاکم من کل ما سألتموہ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار (سورہ ابراہیم)

(اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیا اور آسمان سے بارش اتار کر پھلوں سے تمہارے لئے روزی نکالی اور کشتیوں کو تمہارے تابع فرمان کر دیا تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور دریاؤں .... اور آفتاب و ماہتاب کو تمہارے تابع کر دیا جو مسلسل گردش میں ہیں اور شب و روز کو تمہارے لئے مسخر کر دیا اور تمھیں وہ تمام چیزیں عطا کیں جو تم نے اس سے مانگیں اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو قطعاً نہیں کر سکتے بلا شبہ انسان ظالم اور ناشکرا ہے۔

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔

(یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور خشکی و تری میں انھیں سواری دی، پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت و برتری عطا کی۔)

اسلام نے نہ صرف اسی کے پورے وجود کو تسلیم کیا بلکہ اس کے ایک ایک عضو کی اہمیت اور اس کی افادیت کا اعتراف کیا اور کسی عضو پر بیجا پابندی ڈال کر اس کو معطل نہیں کیا۔ اس کی روح، عقل، اس کے دل و دماغ اور جائز خواہشات کو اسلام نے پورے طور پر تسلیم کیا ہے اور قرآن پاک میں سیکڑوں ایسی آیتیں ملیں گی جن میں انسانی عقل سے اپیل کی گئی ہے اور قرآن ان لوگوں کو نہایت برے الفاظ میں یاد کرتا ہے جو اپنی عقل کو معطل کر کے اندھی تقلید میں پھنس جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انھیں جانوروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

اس عقیدہ کا اثر

ہر عقیدہ کے کچھ نہ کچھ اثرات ہوتے ہیں جن کا ظہور انسانی معاشرہ میں ہوتا رہتا ہے۔ اس کے کچھ خواص ہوتے ہیں جو کسی حال میں اس سے الگ نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر انسان جب اپنے بارے میں یہ یقین کر لیتا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اوہام پرستی، پست خیالات اور ذلیل حرکتوں سے اپنے کو محفوظ رکھتا ہے اور جوں جوں اس کے اس عقیدہ میں پختگی آتی جاتی ہے اس کے خیالات میں بلندی اور اس کے اعمال میں پاکیزگی آتی جاتی ہے اور اس کا ذہن نکھرتا جاتا ہے اور اس کا انسانی معاشرہ پر یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک نہایت صاف ستھرے اور پاکیزہ تمدن کی عمارت تعمیر ہو جاتی ہے اور اس معاشرہ کے تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ اخوت و محبت اور عدل و انصاف کی زندگی گذارتے ہیں اور یہ دنیا ہی ان کے لئے جنت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ عقیدہ انسانوں کو لوٹ مار، قتل و غارت گری، سفاکی اور درندگی اور نسل کشی جیسے بہیمانہ افعال اور حرکتوں سے دور رکھتا ہے جو سانپوں، بچھوؤں کتوں اور جنگلی درندوں میں پائے جاتے ہیں لیکن جب انسانوں کو اپنی پستی، حقارت اور اپنی ذلت و بے وقعتی کا یقین ہو جائے تو اس کا ظہور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک جنبش سے ہونے لگتا ہے۔ اس کی تصدیق کے لئے ان قوموں پر صرف ایک نظر ڈال لینا کافی ہوگا جن کے یہاں انسان ایک کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا حیوان ہے اور بس۔ ان میں اوہام پرستی، پست خیالی اور انسانیت سوز حرکات کی ایسی مثالیں ملیں گی اور درندگی و حیوانیت کا ایسا مرقع نظر آئے گا جنھیں دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے گا اور انسان کو اپنے وجود سے نفرت محسوس ہونے لگے گی۔

جب کسی قوم کو اپنی شرافت و نجابت اور قوت و صلاحیت میں اپنی برتری کا احساس ہو جاتا ہے تو اس کے ایک ایک فرد میں ترقی کرنے کی امنگیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں اور ہر فرد کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اندر دنیا کی ساری فضیلتیں اور ساری خوبیاں سمیٹ لے، اس کے ذہن میں بلند پروازی آجاتی ہے۔ اس کی عقل میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے اس کے اعمال میں پاکیزگی آجاتی ہے۔ اور وہ نسل انسانی کے لئے زیادہ سے زیادہ سودمند اور نفع بخش ثابت ہونے کی کوشش کرتا ہے اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ قوم بدقسمتی سے یا اپنی کسی غلطی کے نتیجہ میں زوال کا شکار ہو جاتی ہے اس پر مصائب کے بادل چھا جاتے ہیں تو وہ قوم احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتی اور ہمت چھوڑ کر بیٹھ نہیں جاتی اس کے ایک ایک فرد کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقام میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دے اپنی خصوصیت سے کسی قیمت پر دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس وقت تک اسے سکون نصیب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل نہ کرلے۔ وہ اس وقت تک چین کی نیند نہیں سو سکتا جب تک کہ وہ اس امتحان اور آزمائش کے دور سے پورے طور پر کامیاب ہو کر نہ نکل جائے۔

بقیہ عید الاضحیٰ

ان کے سامنے ہدایت کے راستے کھول دیئے ہیں۔ ان کی آنکھوں کو حق و صداقت سے روشناس کر دیا ہے۔ ضلالت و گمراہی سے آگاہی دی ہے جب سے مسلمانوں کے مقاصد ایک ہوگئے انکی جمیعت کا شیرازہ بند ہوگیا۔ دشمن کے لئے کوئی ایسی کمین گاہ نہ رہی جہاں سے وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکے۔ اور ان کے شیرازہ کو منتشر کر دے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

منزل بہ منزل

مولانا کا سفر غازیپور اور ندوۃ العلماء کی شاخ کا قیام

"۲۰ رجب ۱۳۱۳ھ کو مولانا محمد علیؒ مونگیری ایک وفد کے ساتھ پورب کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وفد میں مولانا سید عبدالحی مددگار ناظم، مولانا ظہور الاسلام فتحپوری اور مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی وغیرہ شریک تھے اس وفد کی جس طرح پذیرائی ہوئی اور جس گرم جوشی، زندہ دلی اور محبت سے اس کا استقبال کیا گیا، خوش قسمتی سے اس کی کچھ تفصیلات تاریخ نے محفوظ کردی ہیں۔

"روسائے غازی پور نے جس تزک و احتشام سے وفد کا استقبال کیا اور مولانا شاہ امانت اللہ غازی پوری نے جس خلوص و محبت کا برتاؤ کیا اس کا بیان کرنا ایک قسم کی نمائش ہے۔ مگر آپ اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ غازی پور لب دریا آباد ہے اور اس کا اسٹیشن دریا کے دوسری جانب ہے۔ اسٹیشن پر روسا، کی ایک جماعت بسرکردگی مولانا ابوالبرکات صاحب فرزند اکبر مولانا ممدوح کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ دریا کے اس پار مولانا امانت اللہ صاحب خود مع ایک ہزار اہل اسلام کے استقبال کو آئے تھے۔ جب ارکان وفد کشتیوں سے اترے تو اُن کو ایک شامیانہ کے نیچے لے جاکر بٹھایا گیا۔ یہ شامیانہ نہایت وسیع اور شاندار تھا اور شیشہ سے آراستہ کیا گیا تھا، روشنی روشنی کی کثرت سے رات کو دن معلوم ہوتا تھا اس کے نیچے باانداز کے لئے دری کا فرش تھا اس پر کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ وہاں پہونچکر مولانا شاہ امانت اللہ صاحب نے روسا غازی پور سے تعارف کرایا اس کے بعد فرودگاہ کو لے گئے۔ یہاں سے فرودگاہ تک برابر دو رویہ روشنی کی بتیاں نصب تھیں اور ان میں گلاسوں کی روشنی کی گئی تھی۔ یہاں سے وہاں تک مسلمانوں کا ہجوم اور ان کا جوش اسلامی سے خیر مقدم عجیب پر اثر تھا، جس سے مسلمانوں کا اخلاص اور ان کی سچی محبت جو صرف باعتبار اتحاد قومی و مذہبی کے تھی اندازہ کی جاسکتی ہے۔"

دوسرے دن صبح کو جلسہ ہوا، اور عام اتفاق سے غازی پور میں ندوہ کی شاخ قائم کی گئی اور مولانا شاہ امانت اللہ اس کے صدر منتخب ہوئے۔

ایثار کی قابل رشک مثال

اس دورہ میں ایک خاص بات یہ پیش آئی کہ مولوی شرف الدین صاحب وکیل غازیپوری نے اپنی کوٹھی جو انھوں نے اپنی رہائش کے لئے بنوائی تھی ندوہ کو پیش کردی اور جس طرح پیش کی وہ ان کے انتہائی خلوص و محبت اور عقیدت و تعلق کی دلیل ہے۔ مولانا محمد علیؒ اور مولانا شاہ سلیمان صاحب کو اپنی کوٹھی پر لے گئے اور علیحدہ کھڑے ہوکر بہت ادب سے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ

"میں کسی لائق نہیں ہوں یہ کوٹھی جو میں نے اپنے رہنے کے لئے بنوائی ہے، ندوۃ العلماء کی نذر ہے اور میں آپ کو قبضہ کرانے کو لایا ہوں۔"

غرضکہ کوٹھی ندوہ کے قبضہ میں آگئی اور اللہ کے اس بندہ نے اپنے لئے کرایہ کے مکان میں رہنا بخوشی گوارا کیا۔

قدیم و جدید طبقہ کا پہلا نمائندہ اجتماع

اس کے بعد وفد پٹنہ روانہ ہوا، اس بار اس سفر میں مولانا شبلی بھی شریک تھے۔ پٹنہ میں متعدد جلسے ہوئے لیکن دو جلسے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ایک جلسہ شاہ رشید الحق کی خانقاہ عمادیہ میں ہوا، دوسرا گورنمنٹ کالج بانکی پور میں۔ بانکی پور کے جلسے میں چار ہزار مسلمان شریک تھے۔ یہ قدیم و جدید طبقہ کا پہلا نمائندہ اجتماع تھا جہاں دونوں کو کھل کر بات کرنے اور ایک دوسرے کے زاویۂ نگاہ اور خیالات کو سمجھنے کا موقع ملا، اور وہ خلیج کم ہوئی جس نے دونوں طبقوں کو ایک مذہب کا پیرو ہونے کے باوجود فکری اور عقلی طور پر بہت دور اور ایک دوسرے سے بدظن اور متوحش بنادیا تھا، اور جب دونوں کو معلوم ہوا کہ ان کے جذبات، مقاصد اور آرزوئیں ایک ہیں تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی یہ چیز ان کے لئے ایک نئے انکشاف اور دریافت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ مولانا شبلی نے دارالعلوم کی ضرورت پر ایک موثر اور برمحل تقریر کی اس تقریر سے ان کے سامنے ایک نئی دنیا کا نقشہ آیا جس میں جدید و قدیم طبقہ کی کوئی تفریق نہ تھی اور نہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے درمیان کسی قسم کی منافرت ـــــ اس منظر کی تصویر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے قلم نے خوب کھینچی ہے:۔

"جاڑے کی شب تھی۔ علما پہلے سے رونق افروز تھے جب سیاہ اوور کوٹوں سے ہال میں تاریکی پیدا ہوئی تو چونکہ ہمارے محترموں کی نگاہ میں اول مرتبہ یہ سماں آیا تھا اس لئے کسی قدر منغض ہوئے مگر گفتگو نے جلد اصل حال سے پردہ اٹھا کر ظاہر کردیا کہ

کہ آب چشمۂ حیواں درون تاریکی است

تاریک کوٹوں کے اندر عقیدت مندی اور نور خلوص سے روشن دل چھپے ہوئے تھے اس جلسے میں اجلاس پٹنہ کی نیاد پڑی۔ اس اجلاس نے خیالات قدیم و جدید کے دو دریا اس طرح باہم ملتے دیکھے جس طرح گنگا اور سون کے سنگم پر یہ مشہور اور تاریخی شہر واقع ہے۔"

نواب سرفراز حسین خاں نے مولانا محمد علیؒ سے درخواست کی کہ اس سال جلسہ پٹنہ میں کیا جائے لیکن چونکہ میرٹھ میں جلسہ کا انتظام پہلے ہی ہوچکا تھا اسلئے اس کو آئندہ سال کے لئے ملتوی رکھا گیا۔

اس کے بعد روسا، بہار کی تحریک پر مولانا ایک وفد لے کر بہار گئے، اس میں مولانا شبلی شریک نہ تھے خان بہادر مولوی سید نصیرالدین صاحب اور خان بہادر مولوی سید امیرالدین صاحب کے یہاں وفد نے قیام کیا اور وہیں جلسہ منعقد ہوا، اس موقع پر شاہ سلیمان پھلواروی نے بہت موثر تقریر کی اور اس مجمع پر اس پر بہت خوشگوار اثر پڑا۔

لہ یہ خیال رہے کہ یہ فضا اس وقت وفد ندوہ کے حق میں نظر آرہی تھی کچھ عرصہ قبل سخت نزاع اور انتشار سے بھری ہوئی تھی۔ مولانا امانت اللہ صاحب اور مولانا ابراہیم کے اختلافات نے مسلمانوں کی دسوائی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔ ندوہ کے اثر سے ان دونوں میں مصالحت ہوئی اور اس کا اثر قدرتی طور پر ہندوستان کے مختلف حصوں پر بالخصوص غازی پور اور اس کے اطراف پر پڑا اس کو کچھ اندازہ آئندہ سطور سے ہوگا۔

لے روئداد سال چہارم ص ۳۳ و ۳۴

لے ،، ،، ،، ص ۳۹

لے مولانا سید سلیمان ندویؒ نے حیات شبلی میں اس وفد کے ارکان کے جو نام درج کئے ہیں حیرت ہے کہ اس میں مولانا محمد علیؒ کا نام نہیں ہے۔ ندوہ کی روئداد اجلاس چہارم ص ۳۴ و ۳۵ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو وفد غازیپور گیا تھا وہی پٹنہ بھی گیا تھا البتہ اس میں مولانا شبلی اور مولانا شاہ امانت اللہ کا اضافہ ہوگیا تھا۔

ھ حیات شبلی ص ۳۱۴

تجلّیات حرم

زائرحرم حمید صدیقی لکھنوی

پیش نظر حریم رسالت ہے آجکل
دنیائے دل خیال کی جنت ہے آجکل

چھایا ہوا ہے دل پہ عجب کیف بے خودی
وہ غائبانہ لطف و عنایت ہے آجکل

للّٰہ آبگینۂ دل کو نہ چھیڑیئے
لبریز سوز و سازِ محبت ہے آجکل

عالم تمام مطلعِ انوار بن گیا
اتنی تجلیات کی کثرت ہے آجکل

دید حرم کی جیسے مدینے میں عید ہو
کعبے میں بھی وہ جشنِ مسرت ہے آجکل

زمزم کے گرد تشنہ لبوں کا ہے اژدہام
رندوں پہ خاص بارشِ رحمت ہے آجکل

پھر اہتمام خاص سے بیت الحرام میں
صف بستہ حاجیوں کی جماعت ہے آجکل

پھر میرے جذب شوق نے پہونچا دیا مجھے
پھر ملتزم شریف سے قربت ہے آجکل

دل کھنچ رہا ہے دیکھ کے آغوش شوق سے
ایسی حطیم پاک میں نزہت ہے آجکل

پھر استلام رکن یمانی کے ذوق میں
بیتابیٔ طواف و زیارت ہے آجکل

رونق ہے اور ہے جبل بو قبیس کی!
آئینہ دار جلوۂ رحمت ہے آجکل

کیا کیا صفا و مروہ پہ جوش و خروش ہے
اہل جنوں کی اوج پہ قسمت ہے آجکل

پیش نگاہ شوق مناظر منا کے ہیں
دل بے نیاز خلوت و جلوت ہے آجکل

غارِ حرا وہ خلوتِ راز و نیاز شوق
صد جلوہ گاہِ نور و لطافت ہے آجکل

ہٹتی نہیں نگاہ جدھر پڑ گئی حمید
ہر شئے میں ایک حسن ہے ندرت ہے آجکل

عالم اسلام کا ایک عظیم ثقافتی مرکز

سعید الرحمن الاعظمی

در کفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

ندوۃ العلماء کو قائم ہوئے (۷۰) سال ہو گئے۔ مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ادارہ کو ایک ایسے جامع اور ہمہ گیر پائندہ تخیل کے ماتحت قائم کیا تھا جس میں اسلامی زندگی کے تمام شعبوں کی پوری رعایت تھی۔ یہ وہ فکر تھی جس میں دین و دنیا اور جام و سنداں کا ایک بہترین امتزاج تھا جس میں مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی ضرورت کا جواب تھا، جو اس دور میں خاص طور سے نمایاں تھی۔ چنانچہ وقت کے تقاضے کو پورا کرنے اور زمانہ کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے یہ علمی ادارہ ۱۳۱۰ھ میں قائم ہوا۔

مختلف تہذیبوں بالخصوص مغربی تہذیب نے اسلام پر جو حملے شروع کر دیے تھے اور فکر و فلسفہ کی راہ سے اسلامی ذہن جس طرح مرعوب و شکستہ کر رہی تھی اس کا کوئی حل اس کے سوا نہ تھا کہ عالم اسلام اور خاص طور سے ہندوستان میں علماء کی ایسی جماعت تیار ہو جو ایک طرف تو اسلام کی پختہ سمجھ رکھتی ہو اور عقیدہ اور ایمان کے اعتبار سے اس کا ذہن ایسا راسخ اور یقین کی قوت سے بھرا ہو کہ وہ بڑے سے بڑے طوفان کے مقابلے میں کھڑا ہو سکے۔ دوسری طرف اس کو زمانے کے تقاضوں ضروریات اور موجودہ فلسفوں اور تخیلات سے اتنی واقفیت ہو کہ وہ بلا خوف و خطر انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ اسلامی نظام کی فوقیت کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اس سے اسلام کی عبقریت، اس کے نظام کی خوبیوں اور اسلام کو انسانی زندگی کے لئے دستور العمل ہونے کی شہادت لے سکے۔

ندوۃ العلماء کی یہ تحریک کس حد تک کامیاب رہی اور اس نے کہاں تک اس میدان میں کام کیا۔ ... ... اور اسلامی معاشرہ میں اس نے وہ کونسی نمایاں تبدیلی کی۔ ہم کو اس وقت اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں اتنی بات ضرور کہنی چاہئے گی کہ اگر یہ تحریک ایک بڑی حد تک کامیاب نہ ہوئی ہوتی اور اس کی ضرورت کا احساس اسلامی دنیا کو نہ ہوتا تو یہ یقینی بات ہے کہ یہ اتنے دنوں تک یہ تحریک اس شان و شوکت کے ساتھ زندہ نہ رہ سکتی۔

اس وقت اسلامی دنیا اور خصوصاً عرب دنیا جس دور سے گذر رہی ہے وہ بلاشبہ بہت نازک اور فیصلہ کن دور ہے۔ اگر اسی وقت عالم اسلام نے اپنی قسمت کا فیصلہ نہ کیا اور وہ کسی نتیجہ پر نہ پہونچا تو وہ دن دور نہیں ہے جبکہ (خدانخواستہ) سارا عرب ملحد و بے دین ہو جائے اور اس پر مغربی تہذیب و تمدن کا وہ رنگ چڑھ جائے جو دلوں سے اسلام کی عظمت، وحدانیت اور رسالت کی اہمیت کو نہ صرف نکال دے بلکہ اس کی جگہ وہ مغرب کے فلسفے کی عظمت و بلندی کا سکہ بٹھا دے جو اسلامی فلسفے کے سراسر منافی ہے۔

عرب دنیا میں آج اسلام بیزار اور ترقی پسند عناصر کی کمی نہیں ہے اگر ہم نظر انصاف سے دیکھیں تو کیا مصر و شام اور کیا حجاز و عراق ہر جگہ الحاد و دہریت کی دعوت تیزی سے پھیل رہی ہے اور مصر اس سلسلہ کا امام ہے جو سوشلزم اور کیمونزم کے فلسفے کی بنیادوں پر حکومت کا ڈھانچا تیار کر رہا ہے اور وہاں ایسا نظام زندگی بنایا جا رہا ہے جس میں اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں اور وہ فلسفۂ حیات سامنے آ رہا ہے جو انسان کو خدا پرستی کے تصور سے بیگانہ کر کے اس کو انانیت خود غرضی، نفس پرستی کے خداؤں کا بندہ بنا دیتا ہے اور وہ ایک خالص مادی پیکر بن کر رہ جاتا ہے اور اس منزل میں پہونچ جاتا ہے جہاں بجز فکر معدہ اور جھوٹے اقتدار کی خواہش کے اور کوئی فکر باقی نہیں رہ جاتی۔

عالم عربی میں ان حالات کا پیدا ہونا یقیناً ہر مسلمان اور خصوصاً علمائے اسلام کے لئے بڑی تشویش اور فکر کی بات ہے۔ اسلام کو مخالفانہ تحریکوں اور منظم سازشوں سے اتنا نقصان کبھی نہیں پہنچا جتنا آج مغربی فلسفے اور مغربی افکار کی راہ سے پہونچ رہا ہے، یہ وہ حربہ ہے جسکو مغربی سامراج نے اسلامی ذہنوں اور اسلامی ریاستوں کو مٹانے کے لئے انتہائی کوشش کے بعد کامیاب بنایا ہے۔ اور بدقسمتی سے ساری اسلامی دنیا اس وقت اس خطرے سے اس طرح دوچار ہے کہ اس کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہے کہ ایک تباہ کن خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ عرب ممالک میں ایسے ایسے ادیب اور انشا پرداز ہو گئے ہیں جن کا ذہن مغربی فلسفے سے بری طرح متاثر ہے اور جن کی رگ و پے میں مغرب سمایا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے قلم سے نگارشات کو مغربی تہذیب کے رواج دینے اور اسلامی تہذیب کو پامال کرنے، اس کی خوبیوں کو دھبل کرنے اور اس کو موجودہ دور کے لئے بیکار ثابت کرنے میں پوری طرح استعمال کر رہے ہیں۔

لیکن اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم کو کون سی راہ اختیار کرنی چاہئے اور وہ کون سا طریقہ ہونا چاہئے جس کو اپنا کر اس عظیم خطرہ سے اسلام کی مدافعت کا فرض انجام دیا جا سکتا ہے۔

اس کا صحیح اور بالکل متوازن جواب ندوۃ العلماء کی تحریک ہے یہ وہ فکر ہے جس کی بنیاد پر یہ ادارہ معرض وجود میں آیا، یہ وہ تخیل تھا جو ہر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی اور ان کے لئے مدافعت کا سامان پیدا کرتا رہا، موجودہ زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس وقت کوئی ایسی زندہ اور جامع تحریک نہیں ہے جو اسلام کی خدمت کے لئے اسی طرح کے علما پیدا کرنے کا تخیل رکھتی ہو اور جب تک ایسے علماء کی ایک جماعت تیار نہ ہو جو ماضی کے احترام کے ساتھ حال سے پوری طرح واقف ہو اور مستقبل کی فکر میں اس کی ساری صلاحیتیں صرف ہوتی ہوں اس وقت تک اسلام کی کماحقہ خدمت انجام پانا مشکل ہے۔

ندوۃ العلماء کی تحریک نے اپنے دارالعلوم کے ذریعہ ایسے علماء کی ایک ایسی جماعت تیار کی جنھوں نے اپنے اپنے دور کے فتنوں اور اسلام دشمن فلسفوں کا مقابلہ کیا اور نظام حیات کی ایسی تشریح کی جس سے بڑے بڑے مخالفین بھی مرعوب ہوئے اور اسلامی نظام کی بلندی اس کی ہمہ گیری اور ابدیت کے قائل ہوئے۔

ندوہ کی درسگاہ کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ یہاں کا نظام تعلیم و تربیت قدیم و جدید کے ایسے خوشگوار امتزاج کا حامل ہے جو صرف اسی درسگاہ کی خصوصیت ہے۔ یہاں کا

(بقیہ ص ۱۱ پر)

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

محمد یونس نگرامی ندوی

(۱)

مسلم بن یسار اپنے وقت کے بہت بڑے عبادت گزار تھے۔ محمد بن سیرین کے خاندان کے ایک فرد کی روایت ہے کہ میں نے مسلم بن یسار کو مسجد میں سجدہ کی حالت میں پڑے ہوئے دیکھا۔ بڑی دیر بعد جب مسلم بن یسار نے سجدہ سے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ سجدہ کی جگہ آنسوؤں سے تر تھی۔

جعفر بن حیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان سے ان کی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا تم لوگ کیا جانو میرا دل کہاں رہتا ہے۔

حبیب بن شہید کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے قریب ہی آگ لگ گئی لیکن ان کو کچھ محسوس نہیں ہوا یہاں تک کہ آگ بجھ بھی گئی۔

عبدالحمید بن عبداللہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مسلم بن یسار کو سجدہ کی حالت میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے۔

بار الہا! میں تجھ سے کب ملوں گا اور تو مجھ سے راضی بھی ہو اور ان کی یہ آواز سناٹوں میں ڈوب جاتی۔

مالک بن دینار کہتے ہیں میں نے مسلم بن یسار کو جب ان کا انتقال ہو گیا تو خواب میں دیکھا تو میں نے ان کو سلام کیا لیکن انھوں نے جواب نہیں دیا میں نے دریافت کیا کہ آپ سلام کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہیں اس پر انھوں نے جواب دیا "تم جانتے نہیں ہو کہ میں مر چکا ہوں تو کیسے جواب دوں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ خدا کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا رہا۔ اس پر انھوں نے کچھ جوابات دیے اور فرمایا میری نیکیاں قبول فرمالیں اور برائیوں سے درگذر فرمایا۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ بیان کر کے مالک بن دینار بے ہوش ہو گئے پھر کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مالک بن دینار کا قلب اس گفتگو کو برداشت نہ کر سکا۔

(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ج ۳ ص ۱۹۲ تا ۱۹۲)

(۲)

انسانی اخلاق کا دارومدار خدائے تعالیٰ کے خوف پر مبنی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب جیسا جلیل القدر خلیفہ بھی اللہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتا تھا۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آسمان سے آواز آئے کہ دنیا میں ایک آدمی کے سوا تمام لوگ جنتی ہیں تو میں سوچوں گا کہ شاید میں ہی وہ اکیلا بدقسمت انسان ہوں جس کی بخشش ممکن نہیں ہے۔

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا

(کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر وقت ڈوبے رہتے تھے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد آپ پر وارفتگی طاری ہو گئی تھی جب رسول اللہ کا زمانہ یاد آ جاتا تو روتے روتے بیتاب ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ شام کے سفر میں حضرت بلال نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو آپ کو پھر وہ بابرکت زمانہ یاد آ گیا۔ بھولا ہوا غم دوبارہ تازہ ہو گیا حضرت بلال کی آواز میں اس کھوئے ہوئے دور کی آہٹ محسوس کی حضور کی یاد نے بے تاب کر دیا اس قدر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

(فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس)

(۳)

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اموی خلفاء کا بھرم قائم کیا تھا۔ اسی طرح عباسی خلفاء میں مہتدی نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی زہد و ورع اور سادگی میں اپنی مثال آپ تھا خلفائے عباسیہ کے دسترخوان کا خرچ ہر روز دس ہزار درہم تھا مہتدی نے اس کو گھٹا کر سو درہم کر دیا تھا اور اکثر و بیشتر روزہ سے رہتا۔ لباس بھی نہایت سادہ ہوتا تھا۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ مہتدی ایک کپڑا بہت دنوں تک پہنے رہتا تھا۔

(یعقوبی ج ۲)

جب مہتدی کو قتل کر دیا گیا تو لوگوں کو ایک بکس ہاتھ آیا، وہ سمجھے کہ اس میں جواہرات ہوں گے لیکن جب کھولا گیا تو صرف ایک جبہ اور معمولی لنگی نکلی۔ خادم سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ مہتدی رات گئے ان کپڑوں کو پہن کر صبح تک عبادت میں مصروف رہتا تھا۔

(مروج الذہب للمسعودی ج ۸ ص ۳۰)

(۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سمجھدار وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور لوگوں کے گناہوں میں مبتلا ہو جانے پر ڈھیل نہ دے اور ساتھ ہی ساتھ عوام کو عذاب آخرت سے مامون بھی نہ بتائے۔

اور اس عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے جس کا علم نہ ہو اور وہ علم بے کار ہے جس کے ساتھ فہم نہ ہو اور وہ قرأت بے کار ہے جس میں تدبر نہ ہو۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی طبع جدید ص ۱۸۷)

بقیہ عالم اسلام کا عظیم ثقافتی مرکز

اسلام کی ایک نادر و بے مثال شخصیت شمار کئے جاتے ہیں۔ میری مراد سید ابوالحسن علی ندوی کی ذات گرامی سے ہے جو نہ صرف ہند و پاک بلکہ پوری اسلامی دنیا کے لئے ایک گوہر نایاب ہیں اور جنکی شخصیت کو اخلاص، وسعت نظر اور علم و عمل کی ہم آہنگی نے چار چاند لگا دیا ہے۔

اس پرآشوب دور میں جبکہ ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ مدارس کے حال و مستقبل کا ذکر چل پڑا ہے اور ہر طبقے سے اصلاح مدارس و نظام تعلیم و تربیت کی صدا بلند ہو رہی ہے بہت بہتر ہوتا کہ اہل مدارس و ذمہ دار علماء ایک مرتبہ پھر اس فکر پر غور کرتے جس پر ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی اور ٹھنڈے دل سے اس بات کو سوچتے کہ اس زمانہ بلکہ اس دور میں اسلام کی خدمت کا بہتر طریقہ کیا ہے اور کس طرح کے فضلاء مدارس سے نکلیں تو وہ اسلام کی کماحقہ خدمت انجام دے سکتے ہیں اور زمانہ کے ساتھ چلکر وہ اہل زمانہ پر یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ اسلامی نظام ہی دنیا کو تباہی سے نجات دلا سکتا ہے اور یہی نظام قانون فطرت کا وہ اصول ہے جس میں انسانیت کی سعادت و خوش نصیبی کا راز مضمر ہے۔ اگر دنیا اس قانون کو اپنا لے تو آج جنگ عظیم کا خطرہ، حکومتوں کا اختلاف دور ہو سکتا ہے اور سارا عالم مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک ایک بامقصد اور باشعور انسانی خاندان بن سکتا ہے۔ آج جو بھی اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کر سکے گا وہی زمانہ کا امام اور مرد میدان سمجھا جائے گا۔

نغمۂ راز

جگر مرادآبادی

شرح و تفصیل سے بیگانہ گذر جا اے دوست
عقل بڑھتی ہے مگر دل کا زیاں ہوتا ہے
روح بن جاتی ہے خود نغمۂ بے ساز و صدا
ختم جب معرکۂ لفظ و بیاں ہوتا ہے

خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع ، جلنے دو
پرائی آگ میں جلنا ہے کارِ مردانہ
وہیں وہیں سے اٹھے ہیں ہزارہا فتنے
جہاں جہاں سے میں گزرا ہوں بے نیازانہ

باہمہ ذوقِ آگہی ، ہائے رے پستیِ بشر
سارے جہاں کا جائزہ ، اپنے جہاں سے بے خبر
لاکھ ستارے ہر طرف ، ظلمتِ شب جہاں جہاں
ایک طلوعِ آفتاب ، دشت و چمن سحر سحر

اگر اگر تو بس اک مشتِ خاک ہے انساں
بڑھے تو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے
یہ آدمی ہے وہ پروانۂ شمعِ دانش کا
جو روشنی میں رہے ، روشنی کو پا نہ سکے

تو بہت پہلے جہاں پر تھا وہیں آج بھی ہے
دیکھ رندانِ خوش انفاس کہاں تک پہونچے

کبھی کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گزرے

قطعہ

کام ادھورا اور آزادی — نام بڑے اور تھوڑے درشن
شمع ہے لیکن دھندلی دھندلی — سایہ ہے لیکن روشن روشن

آنکھیں ہوں تو وہ کون سا ذرہ ہے جو اے دوست
خود اپنی جگہ انجمن ناز نہیں ہے

ترکِ طلب اور اطمینان — دیکھ تو میرا حسنِ طلب

پیامِ عمل

از عبرت صدیقی لکھنوی

دنیا سے کہاں تک الجھے گا عقبیٰ کا بھی ساماں کرتا چل
سجدوں سے سجا پیشانی کو ایماں درخشاں کرتا چل
امید کی شمعیں روشن کر ہر پھول کو خنداں کرتا چل
یوں شامِ الم کا ہر لمحہ فردوس بداماں کرتا چل
دو دن کی بہارِ دنیا ہے کچھ کار نمایاں کرتا چل
اب خون سے اپنے سینچ کے تو شاداب گلستاں کرتا چل
تو کفر کی ظلمت میں پھر سے ایمان کی کرنیں پیدا کر
پھر راہِ حقیقت دکھلا کر کافر کو مسلماں کرتا چل
کیوں چارہ گروں کی فکر میں ہے ہمت سے ذرا تو کام تو لے
تو اپنے ہی ہاتھوں سے غافل اب درد کا درماں کرتا چل
رہزن سے نہ ڈر کر عزمِ سفر کچھ ظلم و ستم کی فکر نہ کر
اب راہِ طلب کی ہر مشکل ہنس کھیل کے آساں کرتا چل
دنیا کو دکھا دے راہِ عمل ، خوابیدہ مقدر چمکا دے
ایمان کے شعلے بھڑکا دے ظلمت میں چراغاں کرتا چل
گلشن کی فضا پر کیف بنا ، کلیوں کو سکھا ہنس کر کھلنا
وحدت کا ترانہ چھیڑ کے تو بلبل کو غزلخواں کرتا چل
غفلت کا ہٹا پردہ دل سے بیدار ہو اب میداں میں نکل
اصلاح و عمل کی دولت کو ہر سمت فراواں کرتا چل
جانا ہے تجھے اک دن عبرتؔ خود بڑھ کے عمل کے ساحل تک
گردابِ حوادث سے ٹکرا ، اندازۂ طوفاں کرتا چل

کتب خانے کی سیر

کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڑھ

مولوی ابو البقار ندوی

قصص العجائب اس کتاب کے مصنف کا نام مفتی عبدالواحد بن محمد ہے اس نے اس کتاب کی ترتیب میں تفسیر کشاف ، کبیر ، در منثور زاد المسیر ، تبیان ، جامع البیان ، جلالین ، قشیری ، مدارک تفسیر بیضاوی وغیرہ کے علاوہ بعض کتب سیر مثلاً بستان فقیہ ابو اللیث ، معارج النبوۃ ، شفاء قاضی عیاض اور شواہد النبوۃ وغیرہ سے مدد لی ہے۔

اس کتاب میں بعض انبیاء اور جلیل القدر اولیاء کے حالات اور ان کے قابل قدر اقوال و واقعات درج ہیں یہ کتاب داراشکوہ کے مطالعہ کے لئے تیار کی گئی تھی عام کتب خانوں ، برٹش میوزیم ، انڈیا لائبریری خدابخش لائبریری میں اس نام کی کوئی کتاب اور مصنف کا تذکرہ نہیں ملتا اس کے علاوہ اور کتب خانوں میں بھی اس نسخہ کے علاوہ کسی اور نسخہ کی اطلاع نہ ہو سکی سیر و تراجم کی کتابیں مصنف کے حالات زندگی کے بارے میں خاموش ہیں۔

یہ نسخہ محی الدین ولد شیخ غوث اللہ ساکن قصبہ پٹیالہ کا مکتوبہ ہے۔ جس پر سنہ کتابت ۲۸ محرم بروز دو شنبہ ۱۰۵۹ھ ثبت ہے۔

یہ نسخہ مختلف لوگوں کی ملکیت میں رہ چکا ہے جس میں سے بعض نام یہ ہیں۔ محمد حسین مہر (۱۲۷۳ھ) محمد اسماعیل مہر ، محمد نصیر الدین رحمن کے کچھ اردو کے اشعار ابتدا میں درج ہیں اور تاریخ ۱۳ ، دسمبر ۱۸۹۸ء مرقوم ہے۔

کارستان منیر ملا منیر عہد شاہجہانی کے مشہور ادیب ہیں ، منیر نے یہ قصہ جہانگیر نگر بنگالہ کے دوران قیام میں لکھنا شروع کیا تھا لیکن اس کی تکمیل ایک سال بعد ۱۰۵۰ھ میں اس وقت عمل میں آئی جب مصنف جونپور میں مقیم تھا۔

یہ نسخہ اصل نسخہ کی نقل ہے جو درگا پرشاد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ آخر میں سنہ کتابت ۱۲۶۸ فصلی مطابق ۱۲۷۰ھ مرقوم ہے۔

چچ نامہ یہ کتاب اصل میں عربی میں لکھی جسے علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے فارسی زبان میں منتقل کیا اور وزیر عین الملک کے نام معنون کی ، مترجم کی تاریخ پیدائش غالباً ۵۵۵ھ کی ہے اور وفات ۶۱۳ھ ہے۔

چچ نامہ کا اصلی نام فتح نامہ تھا جو تغیر و تبدل کے بعد چچ نامہ قرار پایا۔ عربی تصنیف غالباً ۲۱۵ھ کی ہے کیونکہ اس کے مضامین کے مطالب اکثر فتوح البلدان بلاذری میں پائے جاتے ہیں اور بلاذری کی سنہ وفات ۲۷۹ھ ہے۔ بلاذری کے آخری ابواب کی تکمیل ۲۵۵ھ میں ہوئی تھی۔ عربی کتاب کے مصنف کا نام منہاج الدین ہے۔

چچ نامہ کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں ہیں یہ نسخہ خدا بخش خاں لائبریری کے نسخہ کی نقل ہے۔

یہ کتاب عمر بن محمد داؤد کی اڈیٹ کی ہوئی مطبع لطیفی دہلی سے ۱۳۵۸ھ ، ۱۹۳۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔

روضۃ الصفا تیموری دور کی اہم تاریخی تصنیفات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلام اور ایران کی تاریخ اور خاص کر تیموری دور کے حالات جواب القاسم سلطان حسین بالقر متوفی ۹۱۲ھ کی سلطنت کے آخر تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا مصنف محمد بن خاوند شاہ بن محمود ہے جو میر خواند کے نام سے مشہور ہے۔ بلخ کے نجیب زادوں سے تھا میر علی شیر نوائی کے دربار کے متوسلین میں تھا اس نے ۹۰۳ھ میں بمقام ہرات وفات پائی اس کتاب کا باقی حصہ یعنی ساتویں جلد کے مطالب کو جو مصنف کے وفات کے بعد کے چند سالوں کے واقعات پر مشتمل ہیں مصنف کے پوتے خواندمیر نے مکمل کیا تھا اس کے علاوہ خواندمیر نے ۹۰۵ھ میں روضۃ الصفا کی ایک تلخیص کی جو خلاصۃ الاخبار کے نام سے مشہور ہے اور ۹۰۶ھ میں مکمل ہوئی۔

یہ نسخہ ایک قدیم نسخہ ہے جو یزدگرد بن شہریار بن خسرو پرویز کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔ چونکہ آخری اوراق غائب ہیں اس لئے اس کے سن کتابت کی تعین نہیں کی جا سکتی۔

تذکرہ مخزن الغرائب ملا احمد علی ہاشمی ولادت ۱۱۶۴ھ۔ سندیلہ کے باشندے گذشتہ صدی ہجری کی ابتدا کے فارسی اہل قلم میں سے ہیں۔ مرزا قتیل کے شاگرد تھے ، خادم تخلص تھا۔

اس تذکرہ میں تین ہزار سے زائد شعراء کا کلام اور حال ہے۔ ۱۲۱۸ھ میں ختم ہوا ، ختم صحف ، تاریخ اختتام ہے۔

مشہور مستشرق ڈاکٹر ایتھے کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرہ میں کل ۳۱۴۸ شعراء کا حال درج ہے اور بقول اسپرنگر یہ تذکرہ ۳۰۷۱ شعراء کے حالات پر مشتمل ہے لیکن اس باب میں ڈاکٹر ایتھے کا قول زیادہ صحیح ہے۔

مخزن الغرائب کا یہ نسخہ جو ۱۲۳۰ھ کا مرقومہ ہے گویا یہ خود مصنف کی زندگی کا ہے۔ معلومہ نسخوں سے قدیم ہے۔ لکھنؤ کے شاہی کتب خانہ میں جو نسخہ تھا اور جس سے ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست کی ترتیب میں مدد لی تھی اس میں سنہ کتابت درج نہیں۔ اب وہ نسخہ غائب ہے۔ ایک نسخہ خدا بخش خاں لائبریری میں ہے لیکن وہ چنداں قدیم نہیں۔ برٹش میوزیم لندن کا نسخہ بھی پرانا نہیں۔ البتہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ کا نسخہ اس نسخہ سے دوسرے درجہ پر ہے اس کی تاریخ کتابت ۱۱ صفر ۱۲۲۴ھ ہے۔

یہ نسخہ ۱۰۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اندازے سے معلوم ہوتا کہ یہ لکھنؤ کے کسی خاندان سے یہاں منتقل ہو کر آیا ہے جسے علامہ شبلی نے خود خریدا تھا۔

بقیہ اداریہ

طلب اور پیاس ختم رہا ہے۔

ہر چیز طلب پر قائم ہے اگر ہمارے اندر طلب نہیں تو فرشتے بھی آسمان سے اتر آئیں تو ہمیں نفع نہیں پہونچا سکتے۔ زندگی کی نزاکت اور احول کی اہمیت کا صحیح احساس ایک ایسا دروازہ ہے جس سے ہم اس ماحول کے اندر داخل ہو سکتے ہیں اور زندگی کا سفر خدا کی نصرت و رحمت کے سایہ میں طے کر سکتے ہیں۔ کاش ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہو سکے اور اپنی قوت حاصل کر کے ہم اس اہم معاملہ کی طرف پوری توجہ کر سکیں اور کسی وقت اس سے غافل نہ ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

بغداد کی ایک صبح

(۲)

تسنیم الحسن ندوی

اس بارے میں مجھے کسی قسم کا علم نہیں تھا۔ اس لے ایک صبح میں نے اس سے اپنی خواہش کا ذکر کیا تو اس نے اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ میں شام تک لوٹ آؤں۔ اس سے اجازت لیکر میں سیدھا اپنے گھر پہنچا لیکن اس کے مکین بدل چکے تھے اس لئے میں ناکام رہا۔ صبح سے لیکر شام تک میں دمشق کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن مجھے وہاں اپنا شناسا کوئی نظر نہ آیا اور میں شام کو ناکام اپنی قیام گاہ پر واپس آیا اور اس کو اپنی آمد کی اطلاع دے دی۔ اب میں دمشق سے گھبرا گیا تھا اور بغداد جانا چاہتا تھا، اس لئے میں نے اس سے اپنے ارادہ کا ذکر کیا۔ اس نے مجھ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا کہ جب کوئی قافلہ بغداد جائے گا تو میں تم کو اس کے ساتھ بغداد بھیج دوں گا۔ اس نے اس بارے میں معلومات فراہم کرنے کے لئے اپنے آدمیوں کو لگا دیا۔

ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کل ایک قافلہ بغداد جا رہا ہے میں تم کو اسی کے ساتھ بغداد روانہ کردوں گا۔ میں بغداد کی روانگی کے وقت کا شدت سے انتظار کرنے لگا اور وہ اپنے کاموں میں مشغول ہوگیا اس رات کو وہ اور اس کی بیوی دونوں رات بھر جاگتے رہے اور مسلسل کام میں مشغول رہے۔

سحر کے وقت وہ میرے پاس آیا اور مجھ کو بیدار کرکے تیاری کا حکم دے کر چلا گیا۔ میں ادھر نماز سے فارغ ہوا ادھر وہ ناشتہ لیکر حاضر ہوا، میں ناشتہ کرکے اس کے ساتھ جب گھر کے باہر آیا تو میں نے دروازہ پر ایک قوی ہیکل گھوڑا جو زین کشن تھا، ایک خچر جس پر دو صندوق۔ ہ ہزار درہم سے بھرے ہوئے اور ایک غلام موجود تھا۔ ابھی میں اپنے خیال میں مستغرق ہی تھا کہ وہ ایک نفیس کپڑے کا جوڑا لے آئے اور مجھ سے پہننے کے لئے کہا۔ جب میں اس کو پہن چکا تو اس نے میری کمر میں تلوار لٹکاتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ آپ اس گھوڑے پر تشریف رکھئے۔ یہ غلام اس خچر کو لے کر آپ کے ساتھ ساتھ رہے گا اور راستے میں آپ کی خدمت کرے گا اس کے باوجود وہ دونوں بہت دور تک میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور بار بار معذرت کرتے رہے کہ وہ میری خدمت نہ کر سکے اور میں اس احسان عظیم کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔ پھر انھوں نے مجھ کو الوداع کہا اور اس وقت تک میری طرف دیکھتے رہے جب تک میں ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگیا۔

بغداد پہونچنے پر میرے تمام اہل و عیال مل گئے اور مجھے امیر المومنین کا قرب بھی حاصل ہوگیا۔ اب مجھکو کسی قسم کی بھی فکر نہیں، ہاں صرف ایک فکر ہے وہ یہ کہ میں اس آدمی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، کیونکہ بغداد آنے کے بعد میں نے اس کی تلاش کے لئے کئی آدمیوں کو بھیجا لیکن وہ نہ مل سکا۔

اپنی طویل داستان سنانے کے بعد غسان نے قیدی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی مشقت و تکلیف کے تم کو ایک موقع فراہم کیا ہے، اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اس موقع کو غنیمت جانو۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا کیا یہ ممکن ہے؟ اور کیونکر ممکن ہے؟ وہ میرا محسن کہاں ہے؟ غسان نے فرط اشتیاق میں سوالات کی بوچھار کردی اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔

وہ بدنصیب آدمی تمہارے سامنے بیڑیوں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ گردش زمانہ نے اس کی حالت اس قدر بدل دی ہے کہ تم اس کو نہیں پہچان رہے ہو۔ قیدی نے نحیف آواز میں جواب دیا۔

غسان کیا میرے محسن آپ ہی ہیں۔

جی ہاں وہ بدنصیب شخص میں ہی ہوں۔

اس کے ساتھ ہی اس نے بہت سی باتیں ایسی بتائیں جس سے اس کے قول کی تصدیق ہو رہی تھی اور غسان کو بھی یقین ہوگیا کہ وہی اس کا محسن ہے۔ اس یقین کے بعد غسان کی خوشی کا کیا ٹھکانا۔ انھوں نے فوراً اسکے سر کو بوسہ دیا اور پھر اس سے اس کی داستان سننے کا مطالبہ کیا۔

قیدی: تمہاری جدائی کے چند ہی دنوں کے بعد دمشق میں ایک مرتبہ اور علم بغاوت بلند ہوا لیکن اس پر والئ دمشق کی فوجوں نے قابو پالیا اور بھڑکتی ہوئی آگ بجھ گئی اور بہت سے باغی گرفتار کرلئے گئے۔ میرا شمار باغیوں کے لیڈروں میں ہوا اس لئے مجھ کو قید کرکے میری اتنی پٹائی کی گئی کہ میں موت کا شدت سے انتظار کرنے لگا لیکن افسوس موت مجھ سے کوسوں دور تھی اس پٹائی کے بعد مجھ کو بیڑیوں میں جکڑ کر بغداد امیر المومنین کے پاس بھیجدیا گیا اور ساتھ ہی میرے اوپر جھوٹے الزامات کی ایک طویل فہرست بھی روانہ کردی گئی ہے اس لئے صبح امیر المومنین مجھے قتل کردیں گے۔ اگر تم اپنے احسان کا بدلہ چکانا چاہتے ہو تو صرف اتنا کرو کہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دے دو تاکہ میں اپنے ان غلاموں کو اپنے گھر کے بارے میں وصیت کردوں جو میرے پیچھے پیچھے بغداد تک آگئے ہیں تاکہ وہ میرے بارے میں گھر پر کچھ اطلاع دے دیں۔ میری بات پر یقین کرو میں کہیں بھاگ کر نہ جاؤں گا بلکہ وصیت کرکے پھر یہیں واپس آؤں گا۔ اگر تم اتنا کرنے دیتے ہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم نے احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔

غسان کچھ اور ہی سوچ رہے تھے اس لئے وہ اس کی بات توجہ سے نہ سن سکے۔ لیکن جب ان کو یقین ہوگیا کہ اب وہ مزید کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا ہے تو انھوں نے ایک لوہار کو بلاکر اس کی بیڑیاں کٹوادیں اور پھر اسے حمام میں لے جاکر غسل کروایا اور پھر ایک نفیس قسم کا لباس پہنے ہوئے وہ قیدی اپنے غلاموں سے گلے مل کر رو رہا تھا جن کو غسان نے یہیں بلالیا تھا۔

قیدی کو روتا ہوا چھوڑ کر غسان نے دس گھوڑے جو کہ تمام لوازم سے آراستہ اور ہ صندوق جو اشرفیوں سے بھرے ہوئے، بہت سے کپڑے، دس ہزار درہم ہ ہزار دینار کی دو تھیلیوں کا انتظام کرکے اپنے ایک وفادار خادم کو بلاکر ہدایت کی کہ وہ اس شخص کو صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے بغداد کی حدود سے باہر کردے

قیدی کو جب ان تمام انتظامات کا علم ہوا تو اس نے روتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ میری وجہ سے تم اپنے آپ کو کیوں مصائب میں مبتلا کر رہے ہو۔ پھر اس سے کوئی فائدہ بھی تو نہیں ہے کیونکہ میں جہاں کہیں بھی ہوں گا امیر المومنین مجھ کو گرفتار کروا کر ضرور قتل کردیں گے تم اپنی فکر کرو، جلد از جلد بغداد چھوڑ دو، یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے بلکہ کام کا ہے بعد کے حوادث سے میں مقابلہ کروں گا۔ غسان نے محبت بھرے لہجے

میں کہا۔

اگر تمہارا اصرار ہے تو میں تمہاری خاطر صرف اتنا کرسکتا ہوں کہ میں یہیں کہیں روپوش رہوں اور بغداد کو اس وقت تک نہ چھوڑوں جب تک مجھے تمہارے بارے میں علم نہ ہو جائے۔ اگر تم کو میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ہو جاؤں اور اگر مجھ کو تمہاری نجات کی اطلاع مل جائیگی تو میں بغداد کو چھوڑ دوں،

قیدی کے اصرار پر غسان نے اپنے اس آدمی کو بلاکر جس کو وہ قیدی کی رہنمائی کے لئے بھیج رہا تھا، یہ حکم دیا کہ تم اس کو اپنے ساتھ لیکر فلاں جگہ روپوش رہو اور میرے بارے میں خبریں معلوم کرتے رہو اگر میں قتل کردیا جاؤں تو تم اس کو بحفاظت مع سامان دمشق پہنچادو، اور اگر میں بچ جاؤں تو پھر میری آمد کا انتظار کرو

ادھر مرغ نے صبح کی آمد کی اطلاع دی ادھر غسان نے اپنے دمشقی دوست کو پرنم آنکھوں کے ساتھ الوداع کہا اور بارگاہ ربانی میں حاضری دینے کے لئے تیار ہوئے۔

نماز سے فراغت کے بعد انھوں نے اپنے لئے ایک کفن تیار کیا اسکو خوشبو سے معطر کرکے خود بھی خوشبو لگائی اور دعا میں مشغول ہوگئے۔

امیر المومنین کا حکم ہے کہ آپ اس قیدی کو لے کر دربار میں ابھی حاضر ہوں۔ امیر المومنین کے قاصد نے باہر سے آواز دی، اس آواز کو سنتے ہی غسان نے دعا ختم کی اور اپنا کفن اپنے ساتھ لے کر قصر خلافت کی طرف روانہ ہوگئے۔

ارے تم اکیلے آگئے غسان؛ کل والا قیدی کہاں ہے؟ مامون نے غسان کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

غسان خاموش رہے۔

میں پوچھتا ہوں قیدی کہاں ہے مامون دھاڑا

غسان: میری بھی ایک عرض سن لیجئے امیر المومنین

مامون: اگر تم نے یہ خبر سنائی ہے وہ بھاگ گیا ہے تو پھر قتل کے مستحق تم ہوگے۔

غسان: نہیں وہ یہیں موجود ہے۔ لیکن آپ پہلے میرا اور اس کا پورا واقعہ سن لیں پھر آپ کی جو طبیعت چاہے فیصلہ فرمائیں میں راضی ہوں

مامون: اچھا کہو ہم سنتے ہیں۔

غسان نے از ابتدا تا انتہا پورا قصہ سنانے کے بعد مودبانہ گذارش کی کہ امیر المومنین اگر چاہیں تو اس کے بدلے مجھے قتل کردیں، اس کے لئے میں تیار ہوکر آیا ہوں، میرا کفن میرے ساتھ ہے، یا پھر عفو و درگزر فرمائیں

مامون: افسوس صد افسوس، تم کو نیکی و بھلائی کرنے کا ایک نادر موقع ملا تھا۔ لیکن تم نے اسے ضائع کردیا، تم نے اس کے ساتھ جو بھی کچھ کیا بہت ہی کم ہے۔ تم کو چاہئے تھا کہ تم اس کی اطلاع مجھے اسی وقت دیتے جب وہ بغداد میں موجود تھا، تاکہ میں خود اس کو اس کے احسان کا بدلہ دیتا۔

غسان وہ تا ہنوز بغداد میں موجود ہے۔ اس نے یہ عہد کیا ہے کہ وہ بغداد کو اس وقت تک نہیں چھوڑے گا۔ جب تک اسے میری جان بخشی کی اطلاع نہ مل جائے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مجھے اس کی ضرورت پڑی تو ضرور دربار میں حاضر ہوکر اپنے آپ کو پیش کردیگا۔

مامون: اس نے دوبارہ تم پر ایک اور احسان عظیم کیا جو یقیناً پہلے احسان سے کئی گنا بڑا ہے۔ تم فوراً اس کے پاس جاؤ اور عزت و اکرام کے ساتھ میرے دربار میں لے آؤ تاکہ میں اس کو اس کے احسان کا بدلہ دوں۔

مامون کے اس فیصلہ کے سننے کے بعد غسان کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا اور وہ الٹے قدم اپنے محسن کے پاس پہونچے اور تمام واقعہ ذکر کرنے کے بعد اس سے دربار میں حاضری کی درخواست کی۔

اس نے جب یہ خوشخبری سنی تو فوراً نماز پڑھنے کی اجازت چاہی اور بہت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد میرے ہمراہ مامون سے ملنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

مامون نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور صبح کا ناشتہ اسی کے ساتھ کیا اور اس سے گزارش کی کہ دمشق کی گورنری وہ قبول کرے لیکن اس نے شدت سے انکار کیا، تو مامون نے دس گھوڑے اور دس خچر جو کہ ہر قسم کی ضروریات سے لیس تھے اور دس ہزار دینار، دس غلام جن میں سے ہر ایک گھوڑے پر سوار تھا اسکی خدمت میں پیش کیا جسکو اس نے خوشی خوشی قبول کرلیا۔ ساتھ ہی مامون نے والئی دمشق کے نام ایک خط لکھا کہ اس شخص کو نہ یہ کہ صرف رہا کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا جائے۔ اور پھر اسے مامون نے چشم پرنم کے ساتھ الوداع کیا اور یہ تاکید کردی کہ وہاں پہنچکر خط و کتابت کرنا۔

مامون کے پاس اسکے خطوط برابر آتے رہے جن کو پڑھ کر مامون بہت ہی خوش ہوتا اور اس کی اطلاع غسان کو ان الفاظ میں دیتا کہ "غسان یہ تمہارے دوست کا خط ہے۔"

عزم محکم

از عبد المنان متعلم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ظلمت شب کو چلو ل کے درخشاں کردیں — اپنے جذبات محبت کو نمایاں کردیں
نظم عالم کو عزائم سے بدل دیں آؤ — ذرہ ذرہ کو جہاں کے مہ تاباں کردیں

ہم جو چاہیں تو ضلالت کو مٹا سکتے ہیں — ساری دنیا کو رہ راست پہ لا سکتے ہیں
عزم گر اپنا جواں ہو تو پھر اے ہم نفسو — کفر و الحاد کی بنیاد بھی ڈھا سکتے ہیں

وقت آنے دو! ہماری بھی ضرورت ہوگی — دشمنوں کو بھی کبھی ہم سے محبت ہوگی
شمع ایمان جو ہم دل میں فروزاں کرلیں — غیر قوموں میں پھر اسلام کی عظمت ہوگی

دار العلوم

حالاتُ و واقعاتُ !

افتخار حسین تمدائی منصرم دار العلوم

شاگرد پیشہ ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ

موجودہ گرانی کے سلسلہ میں منتظمین ادارہ کو عرصہ سے شاگرد پیشہ ملازمین کی دقتیں پیش نظر تھیں۔ گو سال گذشتہ ان کی تنخواہوں میں اضافے کیے جا چکے۔ پھر بھی روز افزوں گرانی کی بنا پر اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان ملازمین کی جن کی تنخواہیں ضروریات کے لئے ناکافی ہیں مزید مناسب اضافہ کیا جائے۔ الحمد للہ کہ یکم اپریل ۷۶ء سے تمام شاگرد پیشہ ملازمین کی تنخواہوں میں دس فیصدی سے لے کر پندرہ فیصدی تک اضافہ کے احکام جاری ہو گئے ہیں۔

دار الصحت

دار العلوم میں مقیم دار الاقامہ کے فوری علاج معالجہ کے لئے ہمیشہ انتظام رہا ہے اور کسی نہ کسی اچھے طبیب کی خدمات حاصل رہی ہیں۔ جو طلبہ کی صحت کی دیکھ بھال کے ساتھ ان کا علاج پوری توجہ کے ساتھ کرے لیکن شدت کے ساتھ اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ مریضوں کو بروقت طبی امداد کا کوئی مستقل انتظام ہو، نیز ایک ایسی ڈسپنسری قائم کی جائے جس میں ہمہ وقت ہر ضرورت کی ادویہ مل سکیں۔

الحمد للہ ماہ رواں سے دار العلوم میں ایک ڈسپنسری (دار الصحت) کا قیام عمل میں آگیا ہے۔ اور ڈاکٹر احمد ملیح صدیقی۔ بی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس نے باقاعدہ مطب شروع کر دیا ہے۔

علماء روس کی آمد

انڈین کاونسل آف کلچرل ریلیشن کی جانب سے مہتمم صاحب دار العلوم کے نام ایک ٹیلیگرام موصول ہوا تھا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ علماء روس کا وفد ۱۹ اپریل کو لکھنؤ پہنچ رہا ہے اور درخواست کی گئی تھی۔ کہ وفد کے لئے مناسب پروگرام تجویز کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کے لئے شہر کی عربی درسگاہوں کے دیکھنے کا پروگرام مرتب کر دیا گیا۔

۲۰ اپریل ۷۶ء کی سہ پہر کو روسی وفد کے ممبران مفتی ضیاء الدین بابا خانوف۔ مولانا احمد جان مصطفےٰ اور سید عبد اللہ جان تشریف لائے۔ نماز عصر دار العلوم میں ادا کی۔ مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ نے اساتذہ صاحبان اور مخلصین دار العلوم سے مہمان حضرات کا تعارف کرایا۔ وفد کے قائد جناب مفتی ضیاء الدین بابا خانوف نے اپنے دار العلوم آنے پر مسرت کا اظہار اور شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے کتب خانہ ندوۃ العلماء انجمن الاصلاح اور دار الاقامہ وغیرہ دیکھا۔ واپسی سے پہلے ان کی چائے سے تواضع کی گئی۔

تعطیل عید الاضحیٰ

دار العلوم میں عید الاضحیٰ کے سلسلے میں مورخہ ۲۲ اپریل ۷۶ء تا یکم مئی ۷۶ء تعطیل رہے گی۔ قریب کے اکثر طلبہ اپنے اپنے وطن جا چکے ہیں جو بعد ختم تعطیلات واپس ہوں گے۔

لے گا جو دین کی خدمت کے لئے ایسا بہتر اور جامع تخیل رکھتا ہو۔ ہمارے علمی اور روحانی مربی مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے جب ۱۹۵۱ء میں مصر و شام کا دورہ کیا تھا اور مصر میں شیخ الازہر کے سامنے ندوہ کا تخیل پیش کیا تو وہ سخت متحیر ہوئے اور انھوں نے بڑی صفائی سے اس کا اعتراف کیا کہ ہمارے ذہن میں اب تک ایسا جامع اور ہمہ گیر تصور نہیں آیا تھا۔ بیشک اسلام کا مقصد ایسے ہی علماء پیدا کرنا ہے جو دین و دنیا اور مذہب و سیاست، عرش و کلیسا، دونوں سے پوری واقفیت رکھتے ہوں تاکہ اسلام کی صحیح خدمت کر سکیں۔

ندوہ کو ہر زمانہ میں کچھ ایسے مخلصین علماء کی جماعت میسر آئی جس نے اس کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہر طرح کی قربانی دی۔ اس کے سب سے پہلے ناظم مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ سے لیکر آج تک ایسے مخلص لوگوں کی ایک فہرست موجود ہے جنھوں نے ہندوستان کی ناسازگار فضا میں اس ادارہ کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے بہت کچھ کیا اور بڑی قربانیاں دیں۔ لیکن ندوۃ العلماء کا یہ دور دوسرے ادوار کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور ممتاز اس لئے ہے کہ اس کو ایک ایسے مخلص، خدا پرست اور وسیع النظر عالم کی سرپرستی حاصل ہو گئی ہے، جو اس عہد میں عالم

(بقیہ ص ۱۱ پر دیکھئے)

بقیہ عالم اسلام کا ایک عظیم ثقافتی مرکز

نصاب تعلیم زمانہ کے تقاضوں کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ ہر دور میں جو نت نئے مسائل ابھرتے ہیں ان کا جواب نصاب میں پوری طرح موجود رہتا ہے، اسی طرح زمانے کے نئے چیلنج نئے تقاضے، نئی ضروریات کے لحاظ سے اس میں ترمیم و اضافہ برابر ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ طالب علم کا ذہن شروع ہی سے اپنے زمانے کے حالات سے آشنا رہے اور آگے چل کر وہ اس کی روشنی میں اپنا کام کر سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ دین کے بنیادی مضامین قرآن و حدیث اور فقہ ہر زمانہ میں نصاب کا جزء اکبر اور لازمی ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں نصاب کا پورا ڈھانچہ بنتا ہے تاکہ کتاب و سنت کے نکات اور باریکیوں کو سمجھ کر اسی کے مطابق عمل ہو سکے اور دعوت اسلامی موافق و مخالف حالات میں اپنے جادۂ حق پر قائم رہتے ہوئے ایسی حکمت و دانائی کے ساتھ لوگوں کے سامنے آئے کہ وہ ہر حال میں ان کے لئے قابل قبول ہو۔

یہ ایسا صحیح اسلامی تصور ہے جو ہر جگہ اور ہر دور میں ہر قسم کے فتنے اور طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہی تصور ہر دور کی ایک ایسی ضرورت ہے جو حالات کے مطابق کبھی کھل کر اور کبھی پوشیدہ طور سے ہمارے سامنے رہتی ہے۔ اس زمانہ میں خاص طور سے یہ ضرورت کھل کر سامنے آگئی ہے اور ہر طرف اسلامی طبقے میں یہ بات محسوس کی جا رہی ہے کہ آج اسلام کو مغربی فلسفوں کی راہ سے بڑا صدمہ پہنچ رہا ہے۔ مغربی تہذیب کا تسلط اتنی تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ اگر اس کے انسداد کی کوئی صورت نہ نکالی گئی تو ڈر ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ذہنی ارتداد کا شکار ہو جائے، اور آنے والی نسلیں اسلام اور مذہب کے نام سے بھی بالکل ناآشنا رہ جائیں۔

وقت کے اس نازک مسئلہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس تصور کو زیادہ سے زیادہ اپنایا جائے اور اس کی بنیاد پر موجودہ اور آئندہ نسلوں کی تربیت کی جائے اس طرح ہمارے ہاتھ میں ایسے مسلمان علماء کی ایک ٹیم ہر وقت موجود ہوگی جو نہ صرف قوم کے دینی رہنما ہونگے بلکہ دین و دنیا دونوں کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور اسلام کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہم اس وقت پورے عالم اسلام کا ایک سرسری جائزہ لیں تو انڈونیشیا سے لیکر مراکش تک ہم کو کہیں بھی صحیح اسلامی تصور کے ماتحت اس طرح کا مثالی ادارہ نہیں۔

(پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے ناظم پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا)

مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام

ندوۃ العلماء — لکھنؤ

مقاصد

- مختلف زبانوں میں ایسے پُرمغز اور صالح لٹریچر کی تیاری
- اسلام کی مؤثر و طاقتور نمائندگی کرے۔
- ایمان و یقین کی بنیادیں ذہن و دماغ میں ازسرِنو استوار کرے
- اس ذہنی و فکری بے چینی و انتشار کو رفع کرے جو مغرب کی مادہ پرست تہذیب و ادب نے عالمگیر پیمانے پر پیدا کر دیا ہے
- اس نئے ارتداد کا مقابلہ کرے جو طوفان اور سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیل گیا ہے